باغ فدک

کتاب و سنّت اور فریقین کی
معتبر مذہبی کتب کی روشنی
میں مسئلہ فدک کی تحقیق اور
اس سلسلہ میں صحابہ کرام پر
قائم کئے گئے الزامات کا جواب

تحریر
علامہ سیّد محمود احمد رضوی

مکتبہ رضوان، گنج بخش روڈ۔ لاہور

فہرس مضامین

مضمون	صفحہ
بارہواں طعن در بارۂ فدک	۳
طعنِ فدک کا جواب	۴
آیت یوصیکم اللہ کا مکمل جواب	۶
حضور کے ترکہ میں تقسیم کا سوال	۸
شیعہ سنی روایات کی رو سے انبیاء کی میراث صرف علمِ دین ہے	۱۰
عدمِ توراث کی عقلی دلیل	۱۲
چند شبہات کے جوابات	۱۳
مال فئی میں میراث جاری نہیں ہوتی	۱۶
آیت وورث سلیمان داؤد کا جواب	۱۸
کیا حضورؐ نے فدک سیدہ کو ہبہ کر دیا تھا	۲۱
فدک حضورؐ نے سیدہ کو ہبہ نہیں کیا۔	۲۲
آخری وار	۲۵
سیدہ کا ابوبکر پہ ناراض ہونا	۲۹

مضمون	صفحہ
سیدہ کا جناب علی پہ ناراض ہونا	۲۹
کیا سیدہ حضرت ابوبکر پر ناراض ہوئیں ؟	۳۰
بخاری و مسلم کی روایت در بارۂ فدک	۳۴
فدک کی تاریخ	۳۴
قضیہ فدک میں فاطمہ کا ابوبکر سے راضی ہونا	۳۷
حضرت عمر سے بھی سیدہ فاطمہ راضی ہو گئیں۔	۴۰
سیدہ کی نماز جنازہ اور ابوبکر	۴۳
سیدہ فاطمہ کے پاس سات گاؤں تھے	۴۳
حضرت ابوبکر نے اپنی جائداد سیدہ کے سامنے پیش کر دی	۴۴
کیا حضرت علی نے فدک تقسیم کیا ؟	۴۶
ازواج مطہرات کے حجرے۔	۴۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ★ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

نظرِ اوّلین

اس کتابچہ کی ترتیب کا مقصد مناظرہ و مباحثہ نہیں۔ بلکہ اپنے مذہب و مسلک کی وضاحت اور صحابۂ کرام کے متعلق جو غلط فہمیاں پھیلائی جاتی ہیں اور فرضی افسانے بنا کر ان مقدس اور واجب الاحترام ہستیوں پر جو طعن کیے جاتے ہیں ان کی مدافعت مقصود ہے مسلمان بھائیوں سے التماس ہے کہ وہ اس کتابچہ کو نہایت ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ مطالعہ فرمائیں اور جو حق پائیں اس کو قبول کر لیں۔

سیّد محمود احمد رضوی
دسمبر ۱۹۵۲ء

* * *

بارہواں طعن در بارۂ فدک

فدک سے متعلق سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جو طعن کیا جاتا ہے یہ بارہواں طعن ہے جو مختلف الفاظوں سے پیش کیا جاتا ہے۔ اس کی مختصر تقریر یہ ہے کہ سیّدہ فاطمہ نے اپنے والدِ مکرّم کی میراث کا مطالبہ کیا۔ اس کے جواب میں حضرت ابوبکر نے حدیث لا نُوَرِّثُ سنا دی جس پر سیّدہ ناراض ہوئیں۔ آپ نے کہا اے ابو قحافہ کے بیٹے یہ کونسا انصاف ہے کہ تو اپنے باپ کی میراث حاصل کرے اور میں محروم رہوں۔ اس سلسلہ میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ سیّدہ نے کہا فدک ہمارا ہے۔ رسول ہمیں دے گئے ہیں۔ اس پر حضرت ابوبکر نے گواہ طلب کیے تو سیّدہ حضرت علی، حسنین اور ام ایمن کو گواہ لائیں اور حضرت ابوبکر نے ان کی گواہی رد کر دی۔ پھر اس پر یہ حاشیہ چڑھایا جاتا ہے کہ اس پر سیّدہ ناراض ہو گئیں اور مرتے دم تک حضرت ابوبکر سے نہ بولیں۔ حتّیٰ کہ یہ وصیت کر گئیں کہ میرے

جنازہ میں ابوبکر شریک ہوں۔ چنانچہ بوقتِ وفات حضرت علی نے ابوبکر کو اطلاع بھی نہ دی اور راتوں رات آپ کو دفن کر دیا۔ دیکھو ابوبکر نے جگر پارہ رسول کو ناراض کیا۔ حضور نے فرمایا ہے۔ فاطمہ کی اذیت سے مجھے بھی اذیت ہوتی ہے تو ابوبکر نے فقط فاطمہ کو غضبناک نہیں کیا بلکہ پیغمبر خدا کو غضبناک کیا۔ اور اغضاب النبیؐ علی حد الشرک ؛ (خلاصہ از کتاب سواء السبیل صفحہ ۱۵۹ مصنفہ محمد مہدی شیعہ عالم

طعن کی تقریر آپ نے سن لی حضرت امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشرک تک کہہ دیا۔ اس سے زیادہ اور کیا کہا جاتا۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے حضرات کو ہدایت دے اور یہ توفیق عطا فرمائے کہ وہ اپنے ذاکروں کے فرضی افسانے سننے پر ہی اکتفا نہ کریں۔ بلکہ انصاف و دیانت کے ساتھ فریقین کی تحریروں کا مطالعہ کریں۔ اور جو حق نظر آئے اسکو قبول کر لیں۔

طعن فدک کا جواب

یہ ہے کہ اتنی بات صحیح ہے کہ سیدہ فاطمہ نے فدک مانگا تھا اور صدیق اکبر نے اس کے جواب میں رسولِ کریم کی حدیث سنائی تھی۔ لیکن سیدہ کا ناراض ہونا یا ابوبکر پر بددعا کرنا یا اپنے نماز جنازہ میں شرکت سے منع فرمانا وغیرہ وغیرہ ایسی باتیں ہیں جو مخالفینِ صحابہ کی تصنیف ہیں۔ جناب سیدہ کا فدک کے بارے میں اپنی زبان سے ابوبکر کی شکایت فرمانا اہلِ سنت کی کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے۔ بخاری و مسلم میں اس کا قصہ یوں ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابوبکر سے فدک کا سوال کیا۔ یا یہ ہے کہ حضرت فاطمہ اور عباس حضرت ابوبکر سے میراث طلب کرنے کے لیے آئے۔ حضرت سیدہ فدک کا مطالبہ کرتی تھیں اور حضرت عباس سہم خیبر کا۔ اس کے جواب میں حضرت ابوبکر نے ابتداءً یہ ہرگز نہیں سنایا کہ میں نہیں دیتا بلکہ آپ نے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی تو حضرت ابوبکر نے ان دونوں سے فرمایا :۔

فَقَالَ لَهُمَا اَبُوْ بَكْرٍ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ اِنَّمَا يَأْكُلُ اٰلُ مُحَمَّدٍ مِنْ هٰذَا الْمَالِ۔	میں نے رسولِ کریم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ (ہم گروہ انبیاءؑ) کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہم جو چھوڑ جاتے ہیں وہ سب وہ سب صدقہ ہے۔ ہاں آلِ محمد (اس کی آمدنی) سے کھائیں گے۔

اس حدیثِ رسول کو سنانے کے بعد حضرت ابوبکر نے فرمایا:۔

وَاللّٰهِ لَا اَدَعُ اَمْرًا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری)	بخدا جو کام میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا اسکو ترک نہیں کرونگا۔

مسلم شریف کے لفظ یہ ہیں کہ حضرت ابوبکر نے حدیث سنانے کے بعد کہا:۔

اِنِّیْ وَاللّٰهِ لَا اُغَيِّرُ شَيْئًا مِّنْ صَدَقَةِ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَنْ حَالِهَا الَّتِیْ كَانَتْ عَلَيْهَا فِیْ عَهْدِ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاَعْمَلَنَّ فِيْهَا بِمَا فَعَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ (مسلم شریف)	خدا کی قسم میں صدقہ رسول کو جیسے کہ وہ رسول کے زمانے میں تھا متغیر نہیں کروں گا اور اس میں جس طرح رسول نے عمل کیا ہے اسی طرح کروں گا۔

ہم نے کتب صحاح اہل سنت کی روایات من وعن آپ کے سامنے رکھ دی ہیں۔ ان میں صرف یہ ہے کہ جب فدک کا مطالبہ ہوا تو حضرت ابوبکر نے حدیث سنائی کہ حضور نے فرمایا ہے کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر نے یہ بھی فرمایا کہ فدک حکم نبوی کے مطابق تقسیم تو نہیں ہوگا مگر اس کی آمدنی آلِ محمد پر صرف ہو گی۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ جس طرح فدک کی آمدنی کو حضورِ اکرم اپنی حیاتِ مبارکہ میں خرچ فرماتے تھے۔ میں بھی اسی طرح خرچ کروں گا اور حضور کے طریقِ کار کا پابند رہوں گا۔ یہ ہے وہ گفتگو جو سیدہ فاطمہ اور حضرت ابوبکر کے درمیان ہوئی۔ حضرت فاطمہ نے حدیث سن لینے کے بعد زبان سے کچھ نہیں فرمایا۔ ظاہر ہے۔ اتنی گفتگو میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کی بنا پر فریقین کو موردِ طعن بنایا جائے۔ سیدہ فاطمہ کا فدک طلب کرنا حضرت ابوبکر کا حدیث سنا کر حکم شرع ظاہر فرمانا اور قسم اٹھا کر یہ کہنا کہ میں فدک میں حضور کے طریقِ کار کا پابند رہوں گا۔ کوئی بھی تو ایسی بات نہیں ہے جس کو طعن کا سبب بنایا جائے۔ غرضکہ حضرت فاطمہ و ابوبکر کے اس سوال و جواب کو نقل کرنے کے بعد راوی حدیث اپنے ذاتی تاثرات یوں بیان کرتے ہیں۔

فَغَضِبَتْ فَاطِمَةُ وَهَجَرَتْ اَبَا بَكْرٍ فَلَمْ تَزَلْ مُهَاجِرَتَهٗ حَتّٰى تُوُفِّيَتْ وَعَاشَتْ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ سِتَّةَ اَشْهُرٍ (بخاری)	پس حضرت فاطمہ ناراض ہوئیں۔ انہوں نے ابوبکر کو چھوڑے رکھا۔ یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی۔ حضرت فاطمہ حضور کے بعد چھ ماہ تک حیات رہیں۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ روایت کے یہ لفظ جن پر ہم نے لکیر کھینچ دی ہے یہ حضرت فاطمہ کی زبان کے لفظ نہیں ہیں۔ بلکہ راوی حدیث کے ذاتی تاثرات ہیں جن کو انھوں نے اپنے لفظوں میں ظاہر کیا ہے۔ اور یہ ہی بات ہم کو خصوصیت سے نوٹ کرانی ہے کہ صحاح کی کسی بھی روایت میں حضرت ابوبکر کی شکایت جناب سیدہ کی زبان سے ثابت نہیں ہے۔ اور نہ راوئ حدیث ہی یہ کہتے ہیں کہ ہم نے سیدہ کی زبان سے حضرت ابوبکر کی شکایت سنی ہے۔ اور ناراضگی دل کا فعل ہے۔ جب تک زبان سے اس کا اظہار نہ ہو دوسرے شخص کو اس کی خبر نہیں ہو سکتی۔ البتہ قرائن سے دوسرا شخص قیاس کر سکتا ہے۔ مگر ایسے قیاس میں غلطی ہو جانے کا امکان ہے اور جب تک سیدہ کی زبان سے شکایت کا اظہار نہ ہو اس وقت تک ان کا یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے کہ حضرت فاطمہ ابوبکر پر ناراض ہوئیں۔ ثانیاً۔ اگر بالفرض والمحال ناراض ہو بھی گئیں تو حدیث سن کر ان کا ناراض ہونا اور حضور کے حکم پر عمل کرنے کی وجہ سے حضرت ابوبکر پر ناراض ہونا ایسی بات ہے جو سیدہ سے ممکن ہی نہیں ہے بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ابوبکر حدیث سنا کر اس پر عمل کرنے کا عہد کریں اور سیدہ ناراض ہو جائیں۔ ان دو اصولی باتوں کو ذہن میں رکھ کر روایت کے الفاظ پر غور کیا جائے تو پھر طعن کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی بہر حال اس کی مزید تفصیل آئندہ صفحات میں آ رہی ہے۔ اس موقع پر تو ہمیں صرف یہ بتانا تھا کہ اتنی بات صحیح ہے کہ سیدہ نے فدک مانگا تھا اور حضرت ابوبکر نے حدیث سنائی تھی اور حکم نبوی کی تعمیل میں فدک تقسیم نہ ہوا۔ لیکن یہ بات کہ حضرت فاطمہ نے اپنی زبان مبارک سے ناراضگی کا اظہار فرمایا محض ایک افسانہ ہے جو کسی بھی صحیح روایت سے ثابت نہیں۔

آیت یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ کا مکمل جواب

جو حدیث سیدنا ابوبکر صدیق نے سنائی۔ اس کے متعلق پہلا اعتراض یہ ہے کہ یہ آیت قرآنی کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری اولاد کے حق میں مرد کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ کی وصیت کی ہے۔ یہ آیت عام ہے۔ نبی اور غیر نبی سب کے لیے ہے۔ جیسے عام لوگوں کی اولاد باپ کے متروکہ مال کی وارث ہوتی ہے۔ اسی طرح انبیاء کرام خصوصاً حضور علیہ السلام کی میراث آپ کی اولاد میں تقسیم ہونی چاہیے۔

جواب: اس میں شک نہیں کہ اس آیت میں لڑکے کو دگنا اور لڑکی کو اکہرا حصہ دیے جانے

کا حکم ہے۔ مگر یہ حکم عام نہیں ہے۔ صرف اُمت کے لیے ہے۔ اور حضور اس سے مستثنیٰ ہیں۔ قرآن پاک میں متعدد ایسی آیتیں ہیں جن میں خطاب حضور کو ہے، مگر مراد اس سے اُمت ہے۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۔	نکاح کرو عورتوں سے جن کو تم پسند کرو۔ دو یا تین یا چار تک ۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایک مسلمان مرد کو بیک وقت چار عورتوں کو نکاح میں رکھنا جائز ہے اور چار سے زیادہ ناجائز ہے لیکن یہ حکم اُمت کے لیے ہے اور حضور اکرم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ آپ کو چار سے زیادہ شادیاں کرنا جائز تھا اور اس کا جواز قرآن کی نص قطعی سے ثابت ہے۔ اسی طرح مندرجہ ذیل آیات پر غور کیجیے :-

(۱) لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ (۲) وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ (۳) مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ ۔ ان آیات میں حضور اکرم مراد نہیں ہیں کیونکہ ارتداد عن الاسلام اور قطع ارحام وہ امور ہیں جن کا حضور میں پایا جانا محال ہے۔ اسی طرح (۴) وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ (۵) لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ (۶) فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (۷) حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ (۸) وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وغیرہ آیات میں کم خطاب موجود ہے۔ مگر باتفاق شیعہ سنی حضور اکرم اس میں داخل نہیں ہیں۔ بلکہ اُمّت مراد ہے۔ تو اسی طرح آیت يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ میں حضور اکرم شامل نہیں ہیں اور یہ حکم افرادِ اُمت کے لیئے ہے۔ چنانچہ خود شیعہ مذہب کی معتبر کتاب اصول کافی کی حدیث اس کی تائید کر رہی ہے۔ اور یہ بتا رہی ہے کہ حضور علیہ السلام اس میں شامل نہیں ہیں۔ بلکہ یہ حکم عام افرادِ اُمّت کے لیے ہے۔

سوال : اس موقع پر شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حدیث قرآن کی تخصیص نہیں کر سکتی لیکن ان کا ایسا کہنا صحیح نہیں۔ کیونکہ خود شیعہ مذہب میں حدیث سے قرآن کی تخصیص جائز ہے۔ بلکہ آیت يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ کے حکم میں شیعہ علماء نے خود تخصیص کی ہے۔ اور شیعہ کتب فقہ میں تخصیص، مانع ارث بیس تک گنائے جاتے ہیں۔ چھ صاحب لمعہ نے ذکر کیے ہیں اور کتاب شرائع الاسلام میں بھی ان کا ذکر ہے۔ مثلاً (۱) اولادِ مسلم کافر باپ کی وارث نہیں ہوتی۔ اسی طرح اگر ایک دوسرے میں سے ایک غلام ہو یا ایک دوسرے کا قاتل ہو اور قصاص یا کفارہ لازم ہو گیا ہو۔

یا ایک دوسرے میں سے ایک حربی ہو اور دوسرا اہل اسلام کی رعیت ہو تو ان سب شکلوں میں توارث جاری نہ ہو گا۔ جیسا کہ شرائع الاسلام و سراجی میں ہے۔

اَلْمَانِعُ مِنَ الْاِرْثِ الرِّقُّ وَافِرًا اَوْ نَاقِصًا وَالْقَتْلُ الَّذِیْ یَتَعَلَّقُ بِهٖ وُجُوْبُ الْقِصَاصِ اَوِ الْکَفَّارَۃِ وَاخْتِلَافُ الدِّیْنَیْنِ وَاخْتِلَافُ الدَّارَیْنِ اِمَّا حَقِیْقَۃً کَالْحَرْبِیِّ اَوِ الذِّمِّیِّ اَوْ حُکْمًا کَالْمُسْتَاْمَنِ وَالذِّمِّیِّ اَوِ الْحَرْبِیَّیْنِ مِنْ دَارَیْنِ مُخْتَلِفَیْنِ ۔

وراثت سے محروم ہونے کے چند اسباب ہیں۔ وارث غلام ہو یا عام ازیں کہ وہ تام ہو یا ناقص ہو، مورث کو وارث کا قتل کرنا کہ اس پر قصاص یا کفارہ لازم ہو۔ مورث و وارث کا مذہب میں مختلف ہونا اختلاف دارین یعنی ایک دار السلام میں ہو اور دوسرا دار الحرب میں۔

(سراجی)

دیکھئے شیعہ علماء احادیث ائمہ کرام کے پیش نظر مذکورہ بالا افراد کو آیت کے حکم عام سے خاص کر رہے ہیں جس سے واضح ہوا کہ شیعہ مذہب میں حدیث سے تخصیص جائز ہے۔ غرضیکہ شیعہ سُنی دونوں متفق ہیں کہ ان مذکورہ بالا صُورتوں میں میراث جاری نہیں ہو گی۔ حالانکہ آیت میراث کا حکم جمیع افراد اُمت کے لئے ہے تو جیسے ان افراد کو از روئے حدیث شیعہ علماء نے آیت کے حکم عام سے خاص کیا ہے۔ اس طرح حدیث لانورث نے (جو فریقین کی کتب صحاح کی حدیث ہے) حضور علیہ السلام کو اس سے علیحدہ کر دیا اور بتا دیا کہ یہ حکم افراد اُمت کے لئے ہے حضور کے لیے نہیں۔ پس حدیث لانورث آیت قرآنی کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس کی توضیح کر رہی ہے اور یہ بتا رہی ہے کہ یُوْصِیْکُمُ اللّٰہ کے خطاب میں حضور علیہ السّلام داخل ہی نہیں۔ لہٰذا حدیث لانورث کو قرآن کے خلاف کہنا بالکل غلط ہے۔

حضور کے ترکہ میں تقسیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

ثانیاً۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ حضور سیّد عالم صلّی اللہ علیہ وسلم سیّد الزاہدین تھے۔ زہد و قناعت اور دنیا سے بے رغبتی کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ آتا تھا غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک بار نماز عصر پڑھ کر فوراً گھر تشریف لے گئے اور پھر فوراً باہر تشریف لائے۔ لوگوں کو تعجب ہُوا تو فرمایا کہ نماز میں مجھے خیال آیا کہ کچھ سونا گھر میں پڑا رہ گیا ہے،

خیال آیا کہ کہیں رات ہو جائے اور وہ گھر میں پڑا رہ جائے اس لیے اسکو خیرات کر دینے کو کہہ آیا ہوں (ابوداؤد)

۲- ایک بار رئیسِ فدک نے چار اُونٹ غلّہ بار کر کے خدمتِ اقدس میں بھیجے۔ حضرت بلال نے اس کو فروخت کیا۔ ایک یہودی کا قرض تھا اس کو ادا کیا اور حضور کو اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا۔ کچھ بچ تو نہیں گیا۔ کیونکہ جب تک کچھ باقی رہے گا، میں گھر نہیں جاؤں گا۔ بلال نے عرض کی حضور کیا کروں کوئی سائل ہی نہیں ہے۔ حضور گھر تشریف نہیں لے گئے بلکہ مسجد میں رات بسر کی۔ صبح کو بلال نے خبر دی کہ جو بچا تھا وہ غرباء میں تقسیم کر دیا ہے۔ تب جا کر حضور گھر تشریف لے گئے (ابوداؤد)

مرضِ وفات میں آپ نے حضرت عائشہ کے پاس جو اشرفیاں رکھی ہوئی تھیں، یاد آنے پر فوراً ان کی خیرات کا حکم دیا تھا۔ یہ اور اس قسم کے متعدد واقعات ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ حضورِ اکرم اپنے پاس کچھ باقی نہیں رکھتے تھے۔ جو کچھ آتا تھا اس کو راہِ خدا میں خرچ فرما دیتے تھے۔ فیاض تھے اور انتہا درجہ کے زاہد تھے۔ خود تکلیف اُٹھا کر دوسروں کو راحت پہنچاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی واقعہ یہ شہادت نہیں دیتا کہ آپ نے اپنی ۲۳ سالہ زندگی میں کبھی زکوٰۃ ادا فرمائی ہو۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ معاذاللہ آپ مُفلس اور غریب تھے۔ بلکہ یہ تھی کہ جو کچھ آتا تھا اس کو راہِ خدا میں خرچ فرما دیتے تھے اور اتنا مال جمع نہ ہوتا تھا کہ وہ زکوٰۃ کو پہنچے اور زکوٰۃ واجب ہو۔ جب یہ حقیقت ہے تو اس صورت میں اگر ہم بالفرض والمحال یہ تسلیم کر بھی لیں کہ آیتِ میراث کے لفظ کُمْ میں حضورِ اکرم بھی شامل ہیں تو بھی حضورِ اکرم کی میراث کے تقسیم کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ حضور اپنے پاس مال و دولت جمع فرماتے ہی نہ تھے۔ حتیٰ کہ سـ۳ـھ میں یہودانِ بنی نضیر میں سے مخریق نامی ایک شخص نے اپنے سات باغ مثیب۔ صائفہ۔ دلال۔ حسینی۔ برقہ۔ اعواف۔ مشربام ابراہیم۔ مرتے وقت حضور کو وصیت کر دیے تھے۔ مگر آپ نے ان کو بھی خیرات فرما دیا تھا اور راہِ خدا میں وقف کر دیا تھا چنانچہ یہ بات شیعہ سُنی دونوں مذہب کی کتابوں سے ثابت ہے۔ سُنیوں کی کتاب اصابہ تذکرہ مخریق اور شیعوں کی فروغ کافی میں اس کا ذکر ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورِ اکرم نے اپنی ذاتی ملکیت میں کوئی چیز چھوڑی ہی نہیں جو چھوڑا بھی تو وہ اپنی حیاتِ مبارک ہی میں وقف فرما دیا تھا۔ جیسے یہ سات باغ اور فدک۔ تو ایسی صورت میں تقسیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ تقسیم وہ چیز ہوتی ہے جو مورث کی ملکیت ہو۔ اور حضورِ اکرم نے ایسا کوئی ترکہ چھوڑا ہی نہیں۔ ؎

مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں ؛ دو جہاں کی نعمتیں ہیں انکے خالی ہاتھ میں

انبیاءِ کرام کی میراث صرف علمِ شریعت ہے

شیعہ سنی دونوں کی صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ انبیاء کرام کسی کو دنیاوی مال و دولت کا وارث نہیں بناتے۔ انبیاء کرام کی میراث صرف علم شریعت ہے۔ اگر وہ کچھ دنیاوی مال چھوڑ جائیں تو اس میں میراث جاری نہیں ہوتی بلکہ وہ صدقہ ہوتا ہے۔

روایاتِ اہلِ سنّت

بخاری و مسلم میں حضرت امیر المومنین سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

لَا نُوْرِثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ (بخاری)	ہم کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَا تُقْسَمُ وَرَثَتِيْ دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا مَا تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ وَمُؤْنَةِ عَامِلِيْ فَهُوَ صَدَقَةٌ (بخاری)	میری میراث تقسیم نہیں ہوتی درہم ہوں یا دینار۔ میں جو کچھ چھوڑ جاؤں میری ازواج اور عاملوں کا خرچ نکالنے کے بعد وہ صدقہ ہے۔

- حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور کے وصال کے بعد ازواج مطہرات نے حضرت عثمان کے ذریعہ حضور کے مال سے اپنا حصہ تقسیم کروانے کا ارادہ کیا تو حضرت عائشہ نے فرمایا:۔

اَلَيْسَ قَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نُوْرِثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ۔ (مسلم شریف)	کیا حضور نبی کریم نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ ہم کسی کو اپنے مال کا وارث نہیں بناتے ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

جب حضرت عائشہ نے حضور کی حدیث سنائی تو ازواج مطہرات نے میراث طلب کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

- حضرت عمر بن الحارث سے روایت ہے وہ کہتے ہیں حضور نے بوقتِ وصال درہم و دینار

غلام لونڈی نہیں چھوڑے۔ مگر

اِلَّا بَغْلَةَ الْبَيْضَاءَ وَسِلَاحَهٗ وَ اَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً (بخاری)	ایک سفید خچر، ہتھیار اور کچھ زمین ان سب کو آپ نے صدقہ بنا کر چھوڑا تھا۔

اسی طرح مالک بن اوس سے مروی ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے مجمع صحابہ میں جن میں حضرت عباس۔ عثمان۔ عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن العوام، سعد بن ابی وقاص موجود تھے۔ سب کو قسم دے کر کہا کیا تم جانتے ہو کہ حضور نے فرمایا، ہم کسی کو وارث نہیں بناتے تو سب نے اقرار کیا کہ حضور نے ایسا فرمایا ہے۔ اب روایات صحاح شیعہ لیجیے:۔

۱- عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَام قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ وَاِنَّ الْاَنْبِيَآءَ لَمْ يُوْرِثُوْا دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَّلٰكِنَّ اَوْرِثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَهٗ مِنْهُ اَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ (اصول کافی باب العلم والمتعلم)	امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علماءِ دین انبیاء کے وارث ہیں۔ اس لیے کہ انبیاء کرام کسی شخص کو درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے ہیں تو جس نے علمِ دین حاصل کیا اس نے بہت کچھ حاصل کیا۔
۲- عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَام قَالَ اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ وَ ذٰلِكَ لِاَنَّ الْاَنْبِيَآءَ لَمْ يُوْرِثُوْا دِرْهَمًا وَّلَا دِيْنَارًا وَّ اِنَّمَا اُوْرِثُوْا اَحَادِيْثَ مِنْ اَحَادِيْثِهِمْ فَمَنْ اَخَذَهٗ بِشَيْءٍ مِّنْهَا فَقَدْ اَخَذَ حَظًّا وَّافِرًا۔ (اُصول کافی باب صفۃ العلم)	امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ علماءِ دین انبیاء کرام کے وارث ہیں اور یہ اس لیے کہ انبیاء کرام نے کسی کو درہم و دینار کا وارث نہیں بنایا۔ انھوں نے تو صرف شریعت کی باتوں کا وارث بنایا تو جس کسی نے ان دین کی باتوں کو حاصل کر لیا اس نے بہت کچھ حاصل کر لیا۔

یہ احادیث اس امر میں نصِ صریح ہیں کہ انبیاءِ کرام کی میراث صرف دین اور شریعت ہے۔ نیز اس آیت

میں کلمہ انما بھی موجود ہے۔ جو حصر کا فائدہ دیتا ہے۔ جیسے انما ولیکم میں شیعہ علماء انما کو حصر کے لیئے مانتے ہیں۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انبیاء کرام کی میراث صرف علمِ شریعت ہی ہے۔ دنیاوی مال ومنال زمین وجائداد ان کی میراث میں کسی کو ملتے ہی نہیں۔ جب شیعہ سُنی کی روایات سے یہ بات ثابت ہے تو پھر حضور اکرم کی میراث مالی کی تقسیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

عدمِ توارث کی عقلی دلیل

نیز عقل بھی یہ چاہتی ہے کہ انبیاء کرام کی میراث صرف علمِ شریعت ہی ہو۔ کیونکہ انبیاء کی بعثت کا مقصد تبلیغ احکامِ خداوندی و تزکیہ نفوس ہے۔ شریعت ہی ان کی دولت اور دین ہی ان کا مال ہے۔ لہذا ان کی میراث بھی صرف علمِ دین ہی ہونا چاہیئے۔ خصوصاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ کے آخری رسول ہیں اور ساری کائنات کے لیے معلم ومزکی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ آپ کے بعد کوئی ایسی صورت باقی نہیں ہے کہ خدا سے احکام لے کر مخلوق تک پہنچائے جاسکیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ حضور کی بعثت کا مقصد فوت نہ ہو اور جس دین کو حضور لائے ہیں اس کی برابر تبلیغ واشاعت ہوتی رہے۔ اس لیے ان کی میراث علمِ شریعت ہی ہونا چاہیئے۔

اس کے علاوہ مالی ترکہ اس کا تقسیم ہوتا ہے جس پر موت واقع ہو جانے کے بعد احکام دنیاوی جاری نہ رہیں۔ ایک آدمی جب تک زندہ ہے اس کی بیوی، اس کے مال ومنال، جائداد وزمین پر کوئی قبضہ نہیں کر سکتا۔ جب تک وہ زندہ ہے اس پر نماز روزہ اور تمام احکامِ شریعت کی پابندی واجب ہے لیکن جب وہ انتقال کر جاتا ہے تو اب اس کا تعلق دنیا سے نہیں رہتا اور احکامِ دنیاوی اس پر جاری نہیں ہوتے۔ مثلاً مرنے والے کی بیوی عدت کے بعد دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ کیونکہ بعدِ عدت رشتۂ زوجیت ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مال وجائداد ورثہ میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مال سے اس کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔ یہ ہی حال ہر اس شخص کا ہے جس پر موت واقع ہو گئی۔ چاہے مرنے کے بعد پھر دوبارہ اس کو حیات مل جائے۔ جیسے شہید فی سبیل اللہ کہ اس پر موت واقع ہوتی ہے مگر پھر اس کو زندگی مل جاتی ہے مگر اس زندگی مل جانے کے باوجود شہید پر بھی دنیاوی احکام جاری نہیں ہوتے۔ اس کی بیوی بعدِ عدت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ شہید کا مال وجائداد بھی ورثہ میں تقسیم ہوتا ہے۔ مگر حضور

سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ آپ حیات النبی ہیں۔ ایک آن کے لیے آپ پر موت واقع ہوئی تھی۔ مگر اس کے بعد وہی حیات روحانی و جسمانی ہے جو احکام و آداب آپ کے اس وقت تھے وہی اب ہیں۔ آپ اس وقت بھی رسول تھے اب بھی ہیں۔ آپ اس وقت بھی اپنی ازواج مطہرات کے شوہر تھے اور آج بھی۔ آپ اس وقت بھی مالک و مختار تھے اور اب بھی ہیں۔ غرضیکہ اس دنیا میں جو احکامات و آداب حضور کے لیے اس وقت تھے وہی بعینہٖ اب بھی باقی ہیں۔ ان میں کچھ فرق نہیں ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی ازواج مطہرات بدستور آپ کے نکاح میں ہیں اور قرآن نے ان کو حضور کے بعد کسی اور سے نکاح کی ممانعت فرما دی ہے۔ حتیٰ کہ آپ کی ازواج مطہرات کے لیے سوگ اور عدت بھی نہیں ہے۔ پس جب حضورِ اقدس اس شان کے حیات النبی ہیں، زندہ رسول ہیں تو جو زندہ ہو اس کی بیوی بدستور اس کے نکاح میں رہتی ہے۔ جو زندہ ہو اس کی نماز جنازہ نہیں ہوتی۔ جو زندہ ہو اور اس شان کا زندہ ہو اس کا مالی ترکہ بھی تقسیم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کی ملکیت و دیگر احکام وغیرہ میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔

چند شبہات کے جوابات

اس سلسلہ میں حضرات شیعہ کی طرف سے چند اعتراضات کیے جاتے ہیں جن کے مکمل جوابات یہ ہیں :-

اعتراض اول: اگر حدیث لا نورث کو مان لیا جائے تو قرآن کا نسخ لازم آئے گا۔ اور حدیث قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتی۔

جواب: حدیث لا نورث تو آپ کو ماننا ہی پڑے گی۔ کیونکہ یہ حدیث شیعہ حضرات کی معتبر مذہبی کتاب اصول کافی کی ہے اور اصول کافی وہ کتاب ہے جو امام غائب علیہ السلام کی تصدیق شدہ ہے۔ اگر یہ حدیث صرف بخاری میں ہوتی تو آپ کہہ سکتے تھے کہ ہم نہیں مانتے۔ مگر اصول کافی کی حدیث کا انکار تو آپ کسی طرح بھی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ کافی کی ساری حدیثیں صحیح ہیں۔

ثانیاً: یہ ہم کب کہتے ہیں کہ حدیث لا نورث نے حکمِ قرآن کو منسوخ کیا ہے۔ ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ حدیث لا نورث نے یہ بتایا ہے کہ آیت یوصیکم اللہ کا خطاب صرف افراد اُمت کے لیے ہے حضور اس خطاب میں شامل نہیں ہیں۔ کیونکہ امام جعفر صادق کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا ہے کہ انبیاء

کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے تو حدیث لا نورث نے تو صرف حکم قرآن کی تفسیر کی ہے۔ منسوخ نہیں کیا ہے اور حدیث رسُول کا قرآن کے اجمال وابہام کی وضاحت کرنا اور اس کے مطالب ومعانی کو بیان کرنا ایسا مسئلہ ہے جس پر شیعہ سُنّی دونوں متفق ہیں۔ لہذا آپ کا یہ کہنا کہ ہم اہل سنت حدیث لا نورث کو قرآن کا ناسخ مانتے ہیں، افتراءِ محض ہے۔

سوال: اس حدیث کو بیان کرنے والے صرف ابوبکر ہیں۔ چونکہ وہ ایک فریق کی حیثیت میں ہیں اس لیے ان کی بات کیسے مان لی جائے۔

جواب: لیکن آپ کے سامنے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث کون پیش کرتا ہے جو حدیث شیعہ کے مقابلے میں پیش کی جا رہی ہے وہ تو اصول کافی کی حدیث ہے جس کے راوی حضرت امام جعفر صادق ہیں۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

انبیاءِ کرام کسی کو درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے۔ (کافی)

لہذا حدیث زیرِ بحث کو آپ کو یہ کہہ کر نظر انداز کرنے کا حق ہی نہیں ہے کہ یہ تو ابوبکر کی روایت کردہ حدیث ہے۔ کیونکہ مخالف کے سامنے اسی کی کتاب کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

ثانیاً۔ یہ بھی غلط ہے کہ اس حدیث کے راوی صرف حضرت ابوبکر ہیں۔ کیونکہ اس حدیث کو حضرت صدیق کے علاوہ بڑے بڑے صحابہ کرام مثلاً علی مرتضیٰ، فاروق اعظم، عثمان غنی، حضرت عباسؓ، عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص، ابوہریرہ، حضرت عائشہ، ابو درداء، حذیفہ ایسے جلیل القدر صحابہ نے روایت کیا ہے۔ نیز حضرت صدیق نے مجمع صحابہ میں اس حدیث کو پیش کر کے اور قسم دے کر اس کی تصدیق کرائی ہے۔ ان میں حذیفہ تو وہ ہیں جن کے متعلق ملا عبد اللہ مشہدی شیعی نے اظہار الحق میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ:۔

ما حدّثکم بہٖ حذیفۃ فصدّقوا۔	حذیفہ تم سے جو حدیث بیان کرے اس کو تسلیم کر لو۔

حضرت علی سے بڑی شخصیت شیعوں کے نزدیک اور کون ہو سکتی ہے جن کو شیعہ معصوم جانتے ہیں۔ غرضیکہ اس حدیث کو صحابہ کی ایک کثیر جماعت روایت کر رہی ہے۔ حالانکہ ان میں سے صرف ایک کا روایت کرنا مفید یقین ہے۔ پھر سب میں بڑی بات یہ ہے کہ یہ کتب صحاح شیعہ میں موجود ہے۔ ایسی

صورت میں حدیث ہذا کی صحت میں کوئی شک ہی نہیں رہتا۔

اعتراض سوم: یہ حدیث احاد ہے اور خبر احاد حجت نہیں ہوتی۔

جواب: اوّل تو یہ ہی غلط ہے کہ خبر احاد حجت نہیں ہوتی۔ یہ حدیث جس میں ہم بحث کر رہے ہیں متواتر المعنیٰ ہے۔ ورنہ کم از کم مشہور ضرور ہے۔ کیونکہ اس حدیث کو صحابہ کرام کی ایک جماعت روایت کر رہی ہے۔ جب یہ حدیث متواتر المعنیٰ ہے یا کم از کم مشہور تو ضرور ہے۔ کیونکہ اس حدیث کو صحابہ کرام کی ایک جماعت روایت کر رہی ہے۔ جب یہ حدیث متواتر المعنیٰ ہے یا کم از کم مشہور تو ضرور ہے اور مشہور سے قرآن پر زیادتی بھی جائز ہے۔ اس کے علاوہ ہم ایک اصولی بات یہ بھی بتا دیں کہ اگر بالفرض اس حدیث کے راوی صرف ابوبکر ہی ہوں تو بھی یہ حدیث ان کے حق میں متواتر بلکہ متواتر سے بڑھ کر ہی رہتی ہے۔ کیونکہ شیعہ سُنی دونوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ متواتر اور غیر متواتر کی تقسیم ان لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے حضور اکرم کو دیکھا نہیں اور کسی صحابی سے حدیث روایت کر دی۔ لیکن جس شخص نے بلا واسطہ حضور اکرم سے حدیث سنی ہو تو اس کے حق میں وہ متواتر سے بھی بالاتر ہوتی ہے۔ چونکہ حضرت ابوبکر نے یہ حدیث خود بلا واسطہ حضور سے سُنی تھی، اس لیے ان کو واجب تھا کہ اس پر عمل کرتے۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔

اعتراض چہارم: تاریخ الخلفاء میں ہے کہ جب میراث کا جھگڑا چلا تو اس کے متعلق کسی کے پاس سے کوئی حدیث نہ ملی۔ صرف ابوبکر نے ہی اس حدیث کو بیان کیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ اس حدیث کے راوی صرف ابوبکر ہی ہیں۔

جواب: تاریخ الخلفاء ایک تاریخی کتاب ہے اس میں جو واقعات درج ہیں وہ قرآن و حدیث کی طرح نہیں ہیں۔ بر تقدیرِ صحت اس کے معنی یہ ہیں کہ اس حدیث کا اظہار سب سے پہلے ابوبکر نے کیا اور یاد دلانے پر سب کو یاد آ گئی۔ جس سے حضرت ابوبکر کا اعلم و احفظ ہونا بھی ثابت ہوا۔ چنانچہ بخاری میں ہے کہ جب حضرت ابوبکر و عمر نے مجمع صحابہ سے اس حدیث کے متعلق قسم دے کر استفسار کیا تو سب نے یہی کہا کہ حضور نے یہی فرمایا ہے کہ ہم کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ جن میں حضرت عباس اور علی اور ان کے علاوہ ازواج مطہرات اور بہت سے جلیل القدر صحابہ تھے جنھوں نے اس کی تصدیق کی۔ ایسی صورت میں صرف ابوبکر کو اس

حدیث کا راوی کہنا بے علمی کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے۔

اعتراض پنجم: اس سلسلہ میں آخری اعتراض یہ کرتے ہیں۔ کافی میں یہ حدیث ابو البختری سے مروی ہے جو سُنی ہے اور ہمارے کتب رجال میں اس کو کذاب کہا گیا ہے اسلیے یہ موضوع ہے۔

جواب: شیعی علماء کی یہ عادت ہے کہ جواب نہ بن پڑے تو یہ کہہ دیا کرتے ہیں۔ یہ تو سُنی ہے۔ جیسا کہ لفِ حریر کے حوالہ میں ابو حنیفہ کو سُنیوں کا ابو حنیفہ کہہ دیا تھا۔ خیر اس کا جواب یہ ہے ابو البختری نامی دو ہیں۔ ایک ابو البختری ذئب بن قثب۔ یہ شیعہ ہے۔ دوسرا ابو البختری سعید بن فیروز ہے جو سُنّی ہے۔ مصنّف کافی نے شیعہ ہی سے روایت کی ہے۔

ثانیاً۔ دوسری روایت میں جو کافی میں ہے۔ اس میں ابو البختری کا نام ہی نہیں ہے اور اس میں تو سب کے سب شیعہ راوی ہیں۔ آپ اس کو لے لیجئے اور دوسری کو چھوڑ دیجئے۔ الغرض اصول کافی میں یہ لفظ موجود ہیں:-

ان العلماء ورثة الانبیاء۔ لم یورثوا درھما ولا دینارًا انّما ورثوا احادیث من احادیثھم۔	علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ وہ درہم و دینار میں کسی کو وارث بناتے ہی نہیں وہ تو صرف اپنی احادیث میراث میں چھوڑتے ہیں۔

اور کلمہ انما جو حصر کے لیے ہے اس سے واضح ہو رہا ہے کہ انبیاء کی میراث صرف علم دین ہے۔ مال نہیں ہے۔ ایسے صاف و صریح مسئلہ کے ہوتے ہوئے بھی کوئی نہ مانے تو اس کا علاج کچھ نہیں ہے۔ مگر نصوص سے آفتاب کی طرح واضح ہو گیا ہے کہ انبیاء اپنی میراث میں مال و دولت چھوڑتے ہی نہیں اور ان کی میراث صرف علم ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں غصب فدک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہمیں اُمید ہے کہ منصف حضرات ان تصریحات پر غور فرما کر حق کو قبول کرنے سے گریز نہ کریں گے۔

مال فئ میں وراثت جاری نہیں ہوتی

اس سلسلہ میں شیعہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ فدک مال فئ سے تھا اور اس میں حضور اکرم کا حصّہ بھی تھا۔ سیّدہ فاطمہ نے یہ ہی طلب کیا اور ابو بکر نے دینے سے انکار کر دیا۔

جواب: اگر فدک کا مال فئ ہونا شیعہ حضرات کو تسلیم ہے اور حقیقت بھی یہی ہے، تو

اس کا فیصلہ بہت آسان ہے۔ کیونکہ مال فیئ کسی کی ملکیت نہیں ہوتا۔ اور فیئ کے مصارف خود قرآن نے بیان کر دیے ہیں۔

مَآ اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ
الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى
الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ
وَابْنِ السَّبِيْلِ (سورہ حشر)

جو ہاتھ لگا دے اللہ تعالیٰ (بغیر جنگ) کے اپنے رسول کو بستی والوں سے تو وہ اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے ہے اور رشتہ داروں، یتیموں اور مسافروں کے لیے ہے۔

یہ آیۂ مبارکہ اپنی تفسیر خود ہی بیان کر رہی ہے کہ مال فیئ کسی کی ملکیت نہیں ہوتا، بلکہ یہ وقف ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی تولیت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے عطا فرمائی تھی کہ حضور اس کی آمدنی کو یتیموں، مسکینوں، محتاجوں اور رشتہ داروں کی خبر گیری میں صرف فرمائیں۔ لہذا جب فدک مال فیئ سے تھا اور یہ حضور کی ذاتی ملکیت میں نہ تھا بلکہ آپ کی تولیت میں تھا تو مالِ وقف میں میراث جاری ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ثانیاً۔ اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ اگر اس آیت میں تقسیم سے مراد وہی تقسیم ہوتی ہے جو شیعہ حضرات کہتے ہیں تو پھر نزول آیت کے بعد حضورِ اکرم کا یہ فرض تھا کہ آپ اپنی حیات ہی میں اس کو تقسیم کر دیتے۔ لیکن شیعہ سُنی دونوں اس امر پر متفق ہیں کہ حضورِ اکرم نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں تقسیم کیا اور نہ کسی کو اس پر قبضہ دیا۔ بلکہ آپ اس کی آمدنی کو مصارف مذکورہ پر خرچ فرماتے رہے۔ فدک کے باغ سے جو آمدنی ہوتی تھی اس کو حضور اپنی ذات پر ازواج مطہرات اور بنی ہاشم پر غریبوں اور مسکینوں اور مسافروں پر خرچ فرما دیتے تھے۔ جو اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ فدک کسی کی ملکیت نہیں تھا بلکہ وقف تھا۔ لہذا مالِ وقف میں میراث کیسے جاری ہو سکتی ہے۔

ثانیاً۔ اگر یہ کہا جائے کہ لام للرسول میں تملیک کے لیے ہے تو اس کا جواب یہ ہے۔ اگرچہ لام تملیک کے لیے بھی آتا ہے۔ مگر یہاں تملیک کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ اس امر کے اظہار کے لیے ہے کہ اس مال فیئ کے متولی حضورِ اکرم ہیں اور آپ کو تقسیم کا اختیار کلی ہے۔ اسی لیے اس آیت کے بعد فرمایا:۔

مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ	رسول جو کچھ تم کو دیدے اس کو قبول کرلو

اس کے بعد قرآن پاک نے یہ بھی تصریح کی کہ یہ مالِ فئی وہ مال ہے جو اللہ نے اپنے خاص فضل سے رسُول کو عطا فرمایا ہے۔ اس میں مجاہدین کی کوششوں کو کچھ دخل نہیں ہے

اَفَاءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْھُم فَمَا اَوْجَفْتُمْ عَلَیْہِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ وَّلٰکِنَّ اللّٰہَ یُسَلِّطُ رُسُلَہٗ عَلٰی مَنْ یَّشَاءُ۔	جو غنیمت دلائی اللہ نے اپنے رسول کو ان سے تو تم نے اس پر نہ اپنے گھوڑے دوڑائے اور نہ اُونٹ۔ ہاں اللہ قابو میں دے دیتا ہے اپنے رسولوں کے جسکو چاہتا ہے۔

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ مالِ فئی وہ مالِ غنیمت ہے جو بلا جنگ وجدال ہاتھ آتا ہے اور اس کے مصرف خود قرآن نے بیان کر کے یہ بتا دیا کہ یہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ وقف ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر یہ مال رسول اکرم کی ملکیت میں دیا جاتا تو محتاجوں اور مسافروں کو اس میں شامل نہ کیا جاتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر لام للرّسول میں تملیک کے لیے ہے تو ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین میں بھی تملیک کے لیے ہونا چاہیئے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بہر حال فدک مالِ فئی سے ہے اور مالِ فئی وقف ہوتا ہے اور وقف میں میراث جاری نہیں ہوتی۔ لہذا فئی کی آڑ لے کر سیدنا صدیق اکبر پر جو طعن کیا گیا ہے وہ بھی رفع ہو گیا۔

وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ کا جواب

شیعہ ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ اگر انبیاء کا مالی ترکہ تقسیم نہیں ہوتا تو حضرت داؤد کے حق میں قرآن نے یہ کیوں فرمایا:۔

وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ۔	وارث ہوئے سلیمان داؤد کے

معلوم ہوا کہ انبیاء کی میراث جاری ہوتی ہے۔

جواب: اس آیت میں نبوت و بادشاہت کی وراثت مراد ہے۔ کیونکہ حضرت سلیمان کو وراثت علمی ملی تھی مالی نہیں۔ چنانچہ اس کے دلائل یہ ہیں:۔

اوّلاً اہل تاریخ کا اجماع ہے کہ حضرت داؤد کے تقریباً ۱۹[1] فرزند تھے اور قرآن نے یہ بتایا

---

[1] چنانچہ ناسخ التواریخ جلد اول ص ۲۷ ۲۸۴ پر سترہ بیٹوں کے نام لکھے ہوئے ہیں

کہ ان میں سے صرف حضرت سلیمان کو میراث ملی اور باقی افراد محروم رہے تو اگر یہاں میراث سے مالی میراث مراد ہوتی تو ان کے تمام فرزندوں کو ملنی چاہیئے تھی۔ جس سے یہ ثابت ہوا کہ یہاں میراث سے علم اور نبوت مراد ہے جو حضرت سلیمان کو تو ملی مگر ان کے دوسرے بھائی محروم رہے۔

ثانیاً۔ یہاں اگر میراث سے مالی میراث مراد لی جائے تو کلام الٰہی کا لغویت پر مشتمل ہونا لازم آتا ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ ہر بیٹا اپنے باپ کی میراث پاتا ہے۔ اور یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کو خصوصیت کے ساتھ بیان کیا جائے۔ ایسی صورت میں قرآن کا یہ خبر دینا کہ سلیمان داؤد کے وارث ہوئے بالکل لغو ہے۔ اور کلام الٰہی لغویت سے پاک ہوتا ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اس آیت میں میراث علمی ہی مراد ہے۔

ثالثاً۔ اس آیت میں حضرت سلیمان کے فضائل و مراتب[1] کا اظہار کیا گیا ہے۔ اگر اس سے مراد وراثت مالی ہو تو یہ کوئی فضیلت کی بات نہیں ہے۔ میراث تو آخر سبھی کو ملتی ہے۔ اس میں حضرت سلیمان کی کیا خصوصیت ہے۔ اس لیے یہاں میراث سے مراد علمی میراث ہی ہے۔ اور اسی بات کو قرآن نے مقام مدح میں بیان کر کے اس کا اظہار کیا ہے کہ حضرت داؤد کے ۱۹ بیٹوں میں سے یہ شرف صرف حضرت سلیمان ہی کو حاصل ہوا کہ وہ منصب نبوت پر فائز ہوئے اور انھوں نے اپنے والد داؤد کی میراث نبوت کو پالیا۔ چنانچہ آیت زیر بحث کے آخری جملے ان ھٰذا لھو الفضل المبین کی تفسیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے نبوت اور بادشاہت سے کی ہے۔ (تفسیر صافی جلد دوم ص۳،) امام جعفر کی اس تفسیر سے واضح ہوا کہ اس آیت میں نبوت و بادشاہت کی میراث مراد ہے۔ مالی میراث مراد نہیں ہے۔ چنانچہ اس کی تائید آیت سے بھی ہوتی ہے۔

وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ۔ یٰاَیُّھَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ۔	وارث ہوئے سلیمان داؤد کے۔ پھر کہا سلیمان نے اے لوگو! ہمیں جانوروں کی بولی سکھائی گئی ہے۔

اور اللہ نے ہمیں ہر چیز کا علم دیا ہے۔ آیت کا یہ حصہ بھی اس امر پر دلیل قاہر ہے کہ حضرت سلیمان نے داؤد کی میراث میں علم اور نبوت ہی پایا تھا۔

---

[1] کیونکہ قرآن نے کہا ان ھٰذا لھو الفضل المبین۔ یہی واضح فضیلت ہے۔

رابعًا۔ قرآن پاک میں وراثت کے لفظ کا علم کی میراث میں استعمال ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔ (حکایۃً عن زکریّا)

وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآئِیْ
وَکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَھَبْ
لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا یَّرِثُنِیْ
وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ وَاجْعَلْہُ
رَبِّ رَضِیًّا۔

مجھے اپنے بعد اپنے قرابت والوں کا
ڈر ہے اور میری عورت بانجھ ہے۔ تو
مجھے اپنے پاس سے ایسا دے ڈال
جو میرا کام اُٹھائے وہ میرا جانشین ہو،
اور اولادِ یعقوب کا وارث ہو۔

دیکھیے حضرت زکریّا دُعا کرتے ہیں کہ مجھے خوف ہے کہ میرے بعد میرے قرابت دار چونکہ شریر ہیں۔ وہ دین میں رخنہ ڈال دیں گے اور میری تعلیم جاری نہ رہ سکے گی تو اے رب مجھے ایسا بیٹا عطا فرما، جو میرا وارث اور آلِ یعقوب کا وارث ہو۔ یہاں بھی وراثت سے علم و نبوت ہی مُراد ہے۔ کیونکہ حضرت زکریّا حضرت یعقوب سے دو ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ کیا ہزار ہا سال سے بنی اسرائیل کی جائداد غیر منقسم پڑی تھی جس کی وراثت حضرت یحییٰ کو ملنی تھی؟ اور کیا انبیاء کرام کا اپنے جانشین کے لیے دعا مانگنا مال کی وراثت کے لیے ہوتا ہے۔ پس ثابت ہُوا کہ یہاں بھی وراثت سے علمی وراثت ہی مراد ہے۔

خامسًا۔ اس امر کی توثیق شیعی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ اُصول کافی میں ہے، امام جعفر صادق نے فرمایا :۔

قَالَ اَبُوْ عَبْدُ اللّٰہِ اِنَّ دَاوٗدَ وَرِثَ
عِلْمَ الْاَنْبِیَآءِ وَاِنَّ سُلَیْمَانَ
وَرِثَ دَاوٗدَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا اَوْرِثَ
سُلَیْمَانَ وَاَنَا وَرِثْنَا مُحَمَّدًا۔

کہ حضرت داؤد انبیاء کے علم کے وارث
ہُوئے اور سلیمان داؤد کے اور محمد سلیمان
کے وارث ہُوئے اور ہم لوگ وارث ہوئے
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

حضرت امام جعفر نے تو فیصلہ ہی فرما دیا کہ حضور اکرم حضرت سلیمان کے وارث ہوئے۔ ظاہر ہے کہ حضور اکرم کو حضرت سلیمان کی میراث میں کوئی مال نہیں ملا تھا۔ بلکہ علم اور نبوّت ہی ملی تھی۔ حضور اکرم حضرت اسماعیل کی اولاد سے ہیں اور حضرت سلیمان حضرت اسحٰق کی۔ جس کا نقشہ یہ ہے :۔

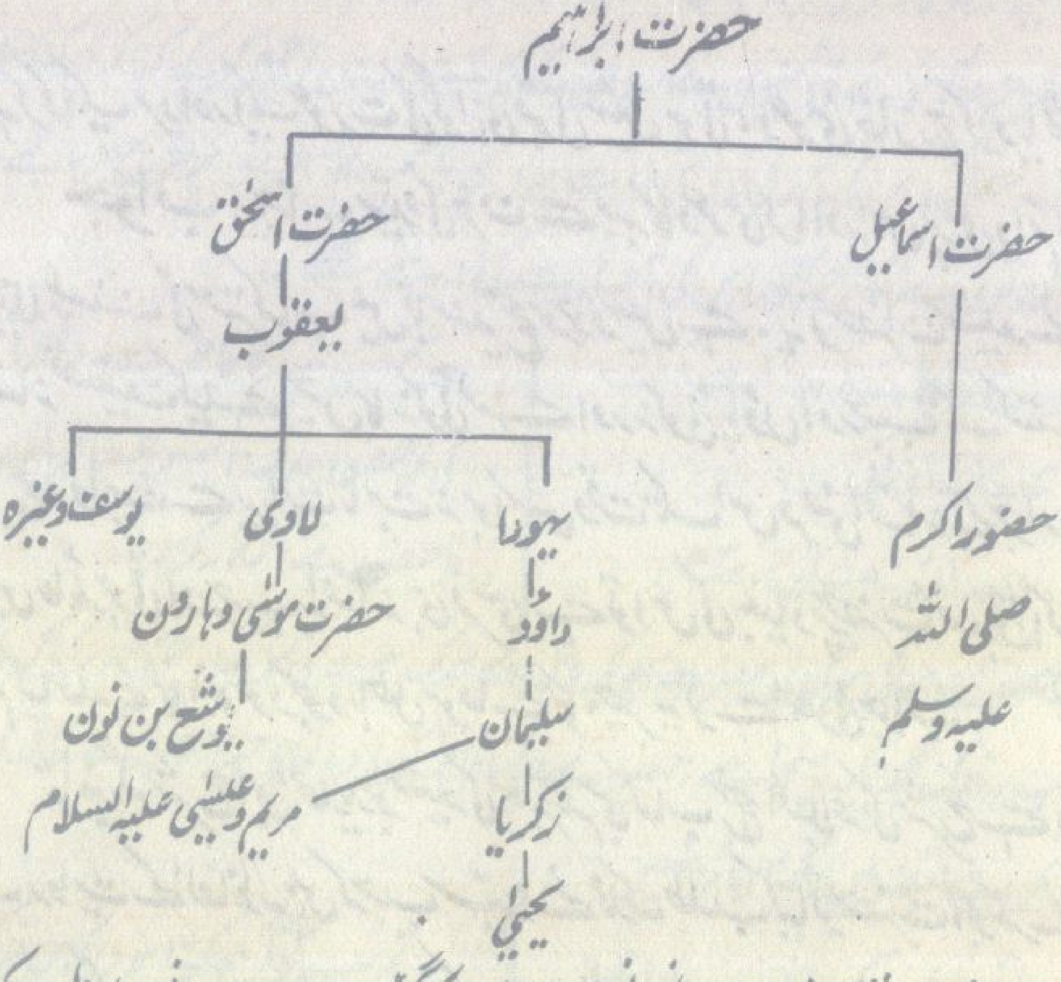
حضرت ابراہیم
حضرت اسمٰعیل
حضرت اسحٰق
یعقوب
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
یہودا
لاوی
یوسف وغیرہ
داؤد
حضرت موسٰی وہارون
سلیمان
یوشع بن نون
زکریا
مریم و عیسٰی علیہ السلام
یحیٰی

نوٹ:- اس نقشہ میں بنظرِ اختصار صرف نسبی نسبت ظاہر کی گئی ہے اور درمیانی واسطوں کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

غرضیکہ حضور حضرت اسمٰعیل کی اولاد ہیں اور سلیمان حضرتِ اسحٰق کی پھر ان ہر دو کی درجنوں پشتیں گزری ہیں۔ اور اٹھارہ سو سال کا زمانہ ہے اگر اس سے میراث مالی مراد لی جائے تو سوال یہ ہے کہ حضرت سلیمان کے خاندان میں کوئی ایسا شخص نہیں رہا تھا کہ بنی اسرائیل کا مال بطور وارثانِ بازگشت بنی اسمٰعیل کو ملا۔ اور پھر بنی اسمٰعیل میں سے بھی دوسروں کو محروم کر کے صرف حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا۔ اس تشریح سے آفتاب نیمروز کی طرح واضح ہو گیا کہ قرآن و حدیث میں انبیاء کے متعلق جہاں وراثت کا ذکر ہے۔ اس سے علم و نبوّت ہی کی میراث مراد ہے۔ اور انبیاء کسی کو اپنا وارث بناتے ہی نہیں ہیں۔ اور اب تو یہ مسئلہ اصول کافی سے ثابت ہو گیا ہے۔ اگر اب بھی یہ حضرات ضد کریں تو اس کا علاج واقعی کچھ نہیں ہے۔

کیا حضور نے فدک سیدہ کو ہبہ کر دیا تھا؟

جب یہ لوگ ہر طرح لاجواب ہو جاتے ہیں تو پھر فدک کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ فدک حضور نے سیدہ کو ہبہ کر دیا تھا۔ اور سیدہ نے بوقتِ دعویٰ حضرت علی اور ام ایمن کو گواہی میں پیش کیا اور ابوبکر نے یہ

کہہ کر کہ ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی قبول نہیں ہوتی، دعویٰ خارج کر دیا تھا۔

جواب: جناب سیدہ کی طرف سے ہبہ کا دعویٰ کرنا اور اس پر علی و ام ایمن کا گواہی دینا اہلسنت کی معتبر کتاب میں باسند صحیح موجود نہیں ہے۔ یہ تو حضرات شیعہ نے ایک فرضی افسانہ تصنیف کیا ہے، جس کا نہ کوئی سر ہے اور نہ کوئی پاؤں اور جب تک کتب اہل سنت کی صحیح روایت سے یہ بات ثابت نہ ہو اس وقت تک اس فرضی افسانہ کے جواب کی ہم پر ذمہ داری نہیں عائد ہوتی اور جب یہ افسانہ ہی فرضی ہے تو اس کی بنیاد پر حضرت صدیق اکبر پر جو بھی الزام قائم کیا جائے گا وہ خود بخود باطل ہو جائے گا۔ خیر یہ تو ہے اصولی جواب۔

ثانیاً۔ شرح ابن الحدید جو شیعہ کی معتبر مذہبی کتاب نہج البلاغہ کی شرح ہے اس میں ایک ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جب سیدہ نے فدک طلب کیا تو حضرت ابوبکر نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان، تم میرے نزدیک صادقہ اور امینہ ہو۔

قَالَ لَهَا اَبُوْ بَكْرٍ لَمَّا طَلَبَتْ فِدَكَ بَابِیْ وَاُمِّیْ اَنْتِ الصَّادِقَةُ الاَمِیْنَةُ عِنْدِیْ اِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَهِدَ اِلَیْكِ عَهْدًا وَوَعَدَكِ وَعْدًا اَصَدَّقْتُكِ وَسَلَّمْتُ اِلَیْكِ فَقَالَتْ لَمْ یَعْهَدْ اِلَیَّ فِیْ ذٰلِكَ۔ (شرح ابن الحدید)	اگر حضور نے تم سے فدک کے معاملے میں کوئی عہد یا وعدہ کیا تھا تو میں اس کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اور فدک تمہارے حوالے کر دوں گا۔ تو سیدہ نے فرمایا حضور نے مجھ سے فدک کے معاملے میں کوئی عہد نہیں فرمایا۔

اس روایت سے ثابت ہو گیا کہ ہبہ فدک کا جو افسانہ تصنیف کیا گیا ہے وہ خالص جھوٹ پر مبنی ہے۔ جب سیدہ خود فرما رہی ہیں کہ فدک کے متعلق حضور نے مجھ سے کوئی عہد اور وعدہ نہیں کیا تو ایسی صورت میں یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ سیدہ نے ہبہ فدک کا دعویٰ کیا تھا۔ معلوم ہوا یہ افسانہ ہی سرے سے جعلی اور وضعی ہے اور اسی سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ فدک کے متعلق حضور نے وصیت بھی نہیں فرمائی تھی۔ اگر وصیت کی ہوتی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فوراً اس کا اظہار فرما دیتیں۔ **ثالثاً** کتب اہل سنت میں ایسی کوئی صحیح روایت موجود نہیں ہے فدک حضور نے سیدہ کو ہبہ نہیں کیا

کہ سیدہ نے ہبہ فدک کا دعویٰ فرمایا۔ اس کے برعکس مشکوٰۃ میں یہ روایت موجود ہے کہ جب حضرت عمر بن عبد العزیز حاکم ہوئے تو انہوں نے مروان کے رشتہ داروں کو جمع کر کے کہا کہ فدک حضور کے قبضہ میں تھا۔ حضور اس کی آمدنی کو اپنی ذات پہ، بنی ہاشم کے صغیروں پر خرچ فرماتے تھے اور بے شوہر عورتوں کے نکاح بھی اس کی آمدنی سے کرا دیتے تھے۔

وانَّ فاطمۃَ سألت اَنْ یجعَلَھا فَاَبیٰ۔ (ابوداؤد۔ مشکوٰۃ ص۵۳)	اور تحقیق سیدہ فاطمہ نے یہ درخواست کی کہ حضور فدک انہیں عطا فرما دیں تو حضور نے انکار کر دیا۔

پھر جب حضور کا وصال ہو گیا تو حضرت ابوبکر و عمر نے فدک میں وہی عمل کیا۔ جو حضور کیا کرتے تھے۔ حتٰی کہ اب یہ فدک مجھ تک پہنچا ہے۔ حضور نے فدک فاطمہ کو نہ دیا تو جو چیز حضور نے فاطمہ کو نہ دی مجھے بھی اس کو اپنے قبضہ میں رکھنا جائز نہیں۔

وانی اشھدکم انی رددتھا علٰی مَا کانت یعنی علٰی عھد رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْہِ وسَلَّم۔ (مشکوٰۃ باالفئ)	میں تم سب کو گواہ کرتا ہوں کہ میں فدک کو (مروان کے رشتہ داروں) سے واپس لے کر اسی حالت میں واپس کرتا ہوں جس حالت میں حضور کے زمانہ میں تھا۔

غرضیکہ کتب صحاح اہل سنت میں ہبہ فدک کی کوئی روایت ہی نہیں ہے۔ ایسی صورت میں شیعوں کا اپنی مذہبی کتب سے روایات پیش کر کے ہم پر الزام قائم کرنا اصولِ مناظرہ کے خلاف ہے۔ پھر اس پر مزید یہ کہ ہم نے شرح نہج البلاغۃ کے حوالہ سے جو روایت پیش کی ہے اس میں یہ ہے کہ حضور نے سیدہ سے فدک کے متعلق کوئی وعدہ یا عہد فرمایا ہی نہیں تھا۔

رابعًا۔ اگر بالفرض والمحال یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضور نے سیدہ کو فدک ہبہ کر دیا تھا تو اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری تھی۔ جیسا کہ قرآن کا حکم ہے۔ لیکن جناب سیدہ نے شہادت کا نصاب کامل پیش نہیں فرمایا۔ ایسی صورت میں فیصلہ سیدہ کے حق میں کیسے ہوتا۔ حضرت ابوبکر بحکم قرآن مجبور تھے۔ بتایئے اس میں ان کا کیا قصور ہے۔ اگر انھوں نے دعویٰ رد بھی کر دیا تو قرآن کے حکم کے مطابق کیا۔ اپنی طرف سے تو کچھ نہیں کیا۔

خامساً۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ فدک سیدہ کو ہبہ تھا۔ تو یہ مسئلہ شیعہ سُنی دونوں کا متفق ہے کہ جب تک موہوب پر موہوب لہ کا قبضہ نہ ہو جائے اس وقت تک ہبہ تمام نہیں ہوتا۔ مثلاً زید نے ایک قطعۂ زمین بکر کو ہبہ تو کر دیا، مگر قبضہ مالکانہ نہ دیا۔ اب زید مر جائے اور بکر ہبہ کا دعویٰ کرے تو بکر کا یہ دعویٰ باطل ہوگا۔ یہی صورت فدک کی ہے اور شیعہ سُنی دونوں متفق ہیں کہ فدک کو حضور نے اپنی حیات مبارکہ میں اپنے قبضہ و تصرف ہی میں رکھا۔ اور کسی کو اس کا قبضہ نہیں دیا۔ جب یہ امر مسلّم ہے تو حضرت ابوبکر نے بھی یہی فرمایا کہ مجرد ہبہ دلیل ملکیت نہیں بن سکتا۔ تاوقتیکہ تصرف اور قبضہ ثابت نہ ہو جائے۔ اور سیدہ نے یہ ثابت نہیں فرمایا کہ فدک حضور نے اپنی حیات میں میرے قبضہ و تصرف میں دے دیا تھا۔ بتایئے اس میں حضرت ابوبکر نے کیا ظلم کیا۔ کیا قانون اسلامی پر عمل کرنا جرم ہے؟ کیا قانون اسلامی کے مطابق فیصلہ کرنا ظلم ہے؟ اس مسئلہ کو سمجھ لینے کے بعد اب اس پر غور کیجئے کہ اگر بالفرض سیدہ نے دعویٰ فرمایا کہ

۱۔ فدک حضور نے مجھے ہبہ کر دیا تھا۔

۲۔ حضرت علی و امّ ایمن نے بالفرض گواہی دے دی کہ ہاں ہبہ کیا تھا۔

(سیدہ کے دعویٰ کے لفظ ذہن میں رکھیے)

۳۔ لیکن سیدہ نے یہ دعویٰ نہیں فرمایا کہ حضور نے ہبہ کرنے کے بعد فدک میرے قبضہ و تصرف میں دے دیا تھا۔ اور گواہان نے بھی اس امر کی گواہی نہ دی۔

ایسی صورت میں شیعوں کا یہ کہنا کہ حضرت ابوبکر نے گواہی رد کر دی یہ ایک غلط بات ہے۔ کیونکہ گواہی کو رد کرنا اور چیز ہے اور گواہی پر فیصلہ دینا اور بات ہے۔ بعض اوقات گواہ جس بات کی گواہی دے رہے ہوں وہ واقعہ کے بالکل مطابق ہوتی ہے۔ مگر قاضی اس پر فیصلہ دینے کا مجاز نہیں ہوتا۔ چنانچہ دیکھ لیجئے اور انصاف کیجئے۔ حضرت ابوبکر نے سیدہ کے دعویٰ یا گواہوں کی گواہی کو رد نہیں کیا اور یہ نہیں فرمایا کہ سیدہ تم اور تمہارے گواہ جھوٹ بولتے ہیں بلکہ آپ نے تو ایک قانونی نکتہ سامنے رکھ کر سیدہ سے یہ فرمایا کہ یہ صحیح ہے کہ حضور نے فدک آپ کو ہبہ کر دیا تھا۔ مگر قانون یہ ہے کہ ہبہ قبضہ و تصرف کے بغیر تمام نہیں ہوتا۔ اور آپ صرف ہبہ کا دعویٰ فرماتی ہیں قبضہ و تصرف کا نہیں؟ ایسی صورت میں آپ کے حق میں کس طرح فیصلہ دے دُوں

اور اسلام کے قانون کو کیسے پسِ پشت ڈال دُوں۔

الغرض اس بات پر شیعہ سُنی دونوں متفق ہیں۔

۱. حضور اکرم نے اپنی حیات میں فدک اپنے ہی قبضہ میں رکھا تھا۔ اور آپ خود اس کی آمدنی سے خرچ فرماتے تھے۔

۲. فدک حضور کی حیات مبارکہ میں جناب سیّدہ کے قبضہ و تصرّف میں نہیں تھا۔

۳. جب تک موہوب چیز موہوب لہٗ کے تصرّف میں نہ دے دی جائے اس وقت تک ہبہ تمام نہیں ہوتا۔

جب یہ باتیں دونوں فریق کے نزدیک مسلّم ہیں تو اب صدیق اکبر پر طعن کا کوئی جواز ہی باقی نہ رہا۔ کیونکہ ابوبکر نے قانون اسلامی پر عمل کیا اور جناب سیّدہ سے فرمادیا کہ آپ کا دعویٰ تو صحیح ہے مگر یہ قانون ہے اس لیے اب آپ ہی بتائیے کہ فیصلہ آپ کے حق میں کیسے کر دیا جائے۔

حضرت فاطمہ کی ناراضگی؟ معترضین کا آخری وار۔

اگرچہ مذکورہ بالا تحریر سے فدک کا ہر پہلو سُلجھ گیا ہے اور ایک منصف کے لیے تو یہ گنجائش ہی نہیں رہی ہے کہ وہ ان حقائق کے ہوتے ہُوئے سیّدنا صدیق اکبر پر کسی قسم کا طعن کرے۔ مگر آخر میں ہم اس کے متعلق مزید گفتگو کرنا چاہتے ہیں تاکہ حق واضح ہو جائے۔ شیعہ حضرات جب ہر طرح سے لاجواب ہو جاتے ہیں تو پھر سب سے بڑا اور سب سے اہم یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ بخاری کی روایت سے ثابت ہے کہ ابوبکر کا جواب سُن کر سیّدہ ناراض ہو گئیں اور جب تک زندہ رہیں ابوبکر سے کلام نہیں کیا۔ اور جب ان کا انتقال ہُوا تو جناب امیر نے رات کو ان کو دفن کر دیا اور ابوبکر کو اس کی اطلاع بھی نہ دی۔

اس کا **جواب** یہ ہے کہ کتب صحاح اہلِ سنت میں جناب سیّدہ کی زبان سے ان کا ناراض ہونا ہرگز ہرگز منقول نہیں ہے۔ ناراضگی دل کا فعل ہے جب تک زبان سے ظاہر نہ ہو دوسرے شخص کو اسکی حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی۔ البتہ قرائن سے دوسرا شخص قیاس کر سکتا ہے۔ مگر ایسے قیاس میں غلطی ہو سکتی ہے تو جب سیّدہ کی زبان سے ابوبکر کی شکایت ثابت ہی نہیں ہے تو پھر اعتراض کیسا؟

ثانیًا۔ بخاری کی جس روایت سے یہ شبہ پیدا کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جب حضرت سیّدہ

نے جناب ابوبکر سے فدک مانگا تو حضرت ابوبکر نے اس کے جواب میں رسولِ کریم کی حدیث سُنادی گویا صدیقِ اکبر نے یہ فرمایا کہ آپ تقسیم فدک کا مطالبہ فرماتی ہیں اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے۔ جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ اب آپ ہی فرمایئے کہ فدک تقسیم کیسے ہو۔ بس یہ ہے وہ زبانی گفتگو جو جناب سیّدہ اور حضرت ابوبکر کے درمیان ہوئی۔ سیّدہ نے حدیث سُن لی اور خاموش ہوگئیں۔ حضرت ابوبکر نے حدیث سنانے کے بعد اس پر عمل کرنے کا عہد فرمایا۔ اس حدیث کی راوی حضرت عائشہ ہیں وہ سیّدہ اور ابوبکر کی زبانی گفتگو کو نقل کرنے کے بعد اپنے تاثرات اس طرح ظاہر فرماتی ہیں۔

پس ناراض ہوئیں فاطمہ اور اس قصہ وراثت میں حضرت صدیق سے گفتگو کرنی ترک کردی۔ حتیٰ کہ آپ کا وصال ہوگیا آپ حضور کے بعد چھ ماہ حیات رہیں۔	فغضبت فاطمة وهجرت ابا بکر فلم تزل مهاجرته حتی توفیت وعاشت بعد رسول الله ستة اشهر (بخاری)
پھر گفتگو نہ کی حضرت فاطمہ نے فدک کے معاملہ میں حتیٰ کہ انتقال کر گئیں۔	بخاری کی دوسری روایت کے لفظ یہ ہیں :- وهجرته فاطمة ولم تکلمه حتی ماتت۔

بخاری کی دونوں روایتیں ہم نے من وعن آپ کے سامنے رکھ دی ہیں۔ شیعہ انہیں سے یہ شبہ پیدا کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ ابوبکر پر ناراض ہوگئیں اور پھر وفات تک آپ نے ابوبکر سے کلام نہ کیا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ روایت بخاری سے یہ مفہوم لینا بالکل غلط ہے اور اس کے دلائل یہ ہیں :-

اوّل۔ بخاری ومسلم وصحاح کی روایات میں غضبت یا هجرت کے جو الفاظ ہیں وہ حضرت سیّدہ کی زبان کے الفاظ نہیں ہیں۔ اور نہ کسی روایت میں یہ مذکور ہے کہ سیّدہ نے اپنی زبان مُبارک سے اظہار ناراضگی فرمایا۔ بلکہ یہ الفاظ راوی کے اپنے تاثرات ہیں جو اس نے واقعات سے اخذ کئے ہیں۔ صحاح کی کسی روایت سے سیّدہ کا اپنی زبان سے اظہارِ ناراضگی فرمانا ثابت ہی نہیں ہے۔

دوم۔ یہ امر مسلّم ہے کہ راوی حدیث ایک واقعہ سے جو نتیجہ نکالتا ہے اس میں غلطی ہو سکتی ہے۔ وہ ظاہر واقعہ میں دیانت داری کے ساتھ ایک نتیجہ نکالتا ہے۔ مگر ہو سکتا ہے کہ وہ نتیجہ غلط ہو۔

یہاں بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ جب راوی نے یہ دیکھا کہ سیدہ نے فدک مانگا اور حضرت ابوبکر نے حدیث سنادی اور حدیث سُن کر سیدہ خاموش ہوگئیں اور پھر ابوبکر سے بات نہ کی تو اس نے اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالا کہ حضرت فاطمہ حضرت ابوبکر سے ناراض ہوجانے کی وجہ سے خاموش ہوئی ہوں گی۔ چنانچہ اس نے اپنے تاثرات کو انہیں الفاظ میں بیان کردیا کہ حضرت فاطمہ ناراض ہوگئیں حالانکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ خاموش ہوجانا یا ترک کلام کرنا ناراضگی ہی کی بنا پر ہو۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ حضرت فاطمہ حدیث سن کر مطمئن ہوگئیں۔ اس لیے خاموش ہوگئیں۔ اور پھر چونکہ ان کو فدک کے معاملہ میں مزید گفتگو کی ضرورت ہی نہ رہی۔ اس لیے سیدہ نے اس معاملہ میں مزید گفتگو نہ فرمائی چنانچہ اس قسم کے متعدد واقعات شیعہ سُنی دونوں کے راویانِ حدیث میں مل جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک بار اکثر صحابہ کرام نے حضور کی ایک حالت سے یہ نتیجہ نکالا کہ آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے اور یہ واقعہ مشہور ہوگیا مگر جب فاروق اعظم نے حضور سے تحقیق کی تو آپ نے فرمایا میں نے طلاق تو نہیں دی۔ دیکھئے مسجد نبوی میں صحابہ کرام جمع ہیں اور وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ حضور نے طلاق دے دی ہے۔ مگر جب تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ نہیں بلکہ صحابہ کرام کا قیاس تھا تو جس طرح حضور کی خلوت نشینی سے صحابہ نے یہ قیاس کیا کہ آپ نے طلاق دے دی ہے حالانکہ طلاق نہیں دی تھی۔ بلکہ صرف علیحدگی اختیار کی تھی۔ ٹھیک اسی طرح فدک کے معاملہ میں راوی نے ترکِ کلام اور سیدہ کی خاموشی سے ناراضگی کا استنباط کر لیا حالانکہ واقعہ یہ نہ تھا۔ کیونکہ ترکِ کلام ایسی چیز نہیں ہے جس کی علت ضرور ناراضگی ہو اور پھر حضرت سیدہ کا حدیث سُن کر ناراض ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ کون مسلمان ہے جو حدیثِ رسول سُن کر ناراض ہوجائے۔ چہ جائیکہ سیدہ ناراض ہوں۔ اور راویِ حدیث کا کسی واقعہ سے قیاس کرنا اور اس کا قیاس غلط ہوجانا کوئی ایسی بات نہیں ہے جو راوی کی دیانت و امانت یا عدالت و ثقاہت کو مجروح کرسکے۔ کیونکہ قیاس میں یا اندازہ میں جو غلطی ہوتی ہے اس میں غلطی کا قصد نہیں ہوتا۔

غرضیکہ صحاح کی روایت سے جو بات ثابت ہوسکتی وہ صرف اس قدر ہے کہ راوی حدیث کا اندازہ ہے کہ حضرت فاطمہ حضرت ابوبکر سے ناراض ہوگئیں۔ لیکن ہر سلیم العقل اور منصف صرف اس اندازہ کو قطعی اور یقینی قرار نہیں دے سکتا۔ لہذا ایسی صورت میں صحاح کی روایت سے شیعہ حضرات کا

یہ شبہ پیدا کرنا کہ سیّدہ یقیناً حضرت صدیق اکبر سے ناراض ہو گئی تھیں کوئی وزن نہیں رکھتا۔ جب صحاح کی روایت سے یہ امر یقین کے ساتھ ثابت ہی نہیں ہے کہ سیّدہ صدیق اکبر کے ساتھ ناراض ہوئی تھیں تو ایسی صورت میں صدیق اکبر پر زبان دراز کرنے کی کیا گنجائش ہے۔

سوم۔ یہ ہی وجہ ہے کہ بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ میں چودہ^{14} جگہ حدیث فدک مذکور ہے جن میں سے چار مقام ایسے ہیں جہاں ناراضگی مذکور ہے۔ باقی دس مقاموں میں ناراضگی کا تذکرہ ہی نہیں ہے پھر حدیث فدک دراصل صرف تین صحابہ سے مروی ہے۔ حضرت عائشہ، ابو الطفیل، ابوہریرہ، جس میں صرف حضرت صدیقہ سے عروہ بن زبیر کے واسطے سے ابن شہاب زہری جو روایت کرتے ہیں، اس میں ناراضگی کا ذکر ہوتا ہے لیکن ابن شہاب زہری بھی ہمیشہ ناراضگی کا فقرہ نہیں بیان کرتے۔ کبھی بیان کرتے ہیں اور کبھی نہیں۔ چنانچہ ذیل کے مقامات میں ناراضگی کا ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ زہری اس میں بھی ہیں:۔

بخاری جلد اوّل کتاب الجہاد و باب فرض الخمس۔
بخاری جلد دوم کتاب المناقب باب قرابۃ رسول اللہ۔
بخاری جلد دوم کتاب المغازی باب غزوہ خیبر۔
بخاری کتاب الفرائض۔

اسی طرح ابوداؤد میں تین جگہ، ترمذی میں صرف ایک جگہ اس حدیث کا ذکر آیا ہے۔ مگر وہاں بھی ناراضگی کا ذکر نہیں ہے۔ غرضیکہ چودہ مقامات میں سے صرف چار مقام پر ناراضگی کا ذکر ہے اور وہ بھی حضرت سیدہ کی زبان سے نہیں بلکہ راوی کا اپنا تاثر ہے جس میں غلطی ہو سکتی ہے اور یہ بات بھی ہمارے مذکورہ بالا دعوی کی تائید و توثیق کرتی ہے۔

چہارم۔ اصل واقعہ پر دیانتداری کے ساتھ غور کیا جائے تو بھی ہمارے مذکورہ بالا نظریہ کی مزید توثیق ہو جاتی ہے۔ جس کی تقریر یہ ہے۔ سیّدہ نے فدک مانگا۔ صدیق اکبر نے حدیث سُنا دی۔ حدیث سنانا اور اس پر عمل کرنے کا عہد کرنا کوئی بھی تو ایسی بات نہ تھی جس پر سیّدہ ناراضگی کا اظہار فرمائیں۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ حضرت ابوبکر حدیث سنا رہے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ کہہ رہے ہیں:۔

انما یاکل آل محمد فی ھٰذا المال (مسلم شریف)	ہاں فدک کا مال آل محمد پر صرف ہوگا۔

دیکھئے صدیق اکبر فدک کی آمدنی آلِ محمد پر صرف کرنے سے انکار نہیں فرما رہے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں فدک میں میراث تو حکمِ نبوی کی بنا پر جاری نہیں ہو سکتی۔ ہاں اس کی آمدنی آل محمد پر ضرور صرف کی جائے گی جس سے اس شبہ کی بنیاد بھی اڑ گئی کہ ابوبکر نے فدک غصب کر لیا یا سیّدہ کو محروم کر دیا۔ غصب یا محروم کر دینے کا لفظ تو اس وقت بولا جا سکتا ہے جبکہ صدیق اکبر یہ فرماتے کہ — ”نہ میں فدک تقسیم کرتا ہوں اور نہ اس کی آمدنی آلِ محمد کو دیتا ہوں“

اگر صدیق اکبر یہ فیصلہ کرتے تو بے شک ان پر الزام آ سکتا تھا۔ مگر انھوں نے تو یہ فرمایا کہ فدک کی تقسیم تو حکمِ نبوی کی رُو سے نہیں ہو سکتی۔ ہاں اس کی آمدنی آلِ محمدؐ پر صرف ہو گی۔ اور جس طرح حضورِ اکرم فدک میں عمل کرتے تھے۔ اسی طرح میں بھی کروں گا۔ چنانچہ مسلم کے یہ لفظ ہیں:۔

وانی واللہ لا اغیر شیئًا من صدقۃ رسول اللہ عن حالھا الّتی کانت علیھا فی عھد رسول اللہ ولا عملن بما عمل رسول اللہ (مسلم شریف)	اور بخدا فدک جس حال میں رسول کے زمانہ میں تھا میں اس میں قطعاً تغیّر نہیں کروں گا اور جو عمل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے وہی میں کروں گا۔

ان صاف و صریح الفاظ سے یہ واضح ہو گیا کہ حضرت ابوبکر نے فدک کی آمدنی دینے سے قطعاً انکار نہیں فرمایا تو ایسی صورت میں نہ تو غصب فدک کا الزام قائم ہو سکتا ہے اور نہ سیّدہ فاطمہ ایسے معقول جواب کو سُن کر ناراض ہو سکتی ہیں کیونکہ حدیثِ رسول سُن کر سیّدہ کا ناراض ہونا ہی ناممکن ہے۔

اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ قضیۂ فدک میں سیّدہ کا راضی ہونا اور جناب صدیق اکبر کے عمل سے خوش ہو جانا خود کتب شیعہ سے ثابت ہے۔ ایسی صورت میں یہ کہاں کی دیانتداری ہے کہ ناراضگی کی روایت کو تو اُچھالا جائے اور رضامندی کی روایتوں کو چھپا لیا جائے۔ پس جب قضیۂ فدک میں سیّدہ کا حضرت ابوبکر سے راضی ہونا اظہر من الشمس ہے تو پھر حضرت ابوبکر پر طعن کی کیا گنجائش؟

سیّدہ کا جناب علی پر ناراض ہونا

پھر یہ بات بھی بدیہی ہے کہ جناب سیّدہ فاطمہ صلوات اللہ علیہا حضرت علی مرتضٰی سے بھی ناراض ہو جایا کرتی تھیں

ایک بار نہیں متعدد بار ناراض ہوئی ہیں۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کرائی۔ چنانچہ جلاء العیون کے صفحہ ۱۸۶ پر مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ جناب سیدہ حضرت علی سے ناراض ہوئیں تو حسن اور حسین اور ام کلثوم کو ہمراہ لے کر اپنے میکے چلی آئیں۔ نہ صرف یہ بلکہ کبھی آپ حضرت علی پر اس قدر شدید طور پر ناراض ہوتی تھیں کہ جناب امیر کو سخت سست بھی کہہ دیا کرتی تھیں۔ جیسا کہ کتاب حق الیقین کے ص۲۴۳ پر مرقوم ہے کہ جناب سیدہ نے ایک دفعہ ناراض ہو کر حضرت علی سے یہ جملے کہے تھے۔

مانندِ جنین در رحم پردہ نشین شدہ و مثلِ خائباں در خانہ گریختہ۔	بچہ کی طرح ماں کے پیٹ میں چھپ گئے اور مثل نامرادوں کے گھر میں بیٹھ گئے۔

غرضیکہ جناب سیدہ کا علی مرتضٰی سے ناراض ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور شیعہ سُنی دونوں کی معتبر مذہبی کتب میں ایسے متعدد واقعات ملتے ہیں جن سے سیدہ کا جناب علی پر ناراض ہو جانا ثابت ہوتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اس کا جواب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ جناب سیدہ کی علی مرتضٰی سے جو ناراضگی ہوتی تھی وہ وقتی اور عارضی ہوتی تھی۔ اس کے بعد آپ راضی بھی تو ہو جاتی تھیں۔ تو ہم کہیں گے کہ اول تو سیدہ کا اپنی زبان سے جناب ابوبکر پر ناراض ہونا ہی ثابت نہیں ہے۔ اور اگر راوی کے تاثر کو صحیح مان کر یہ بھی کہہ دیا جائے کہ سیدہ ابوبکر پر ناراض ہوئی تھیں تو یہ ناراضگی بھی عارضی اور وقتی تھی کیونکہ شیعہ سنی دونوں کی معتبر کتب سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ سیدہ حضرت ابوبکر سے راضی ہو گئی تھیں تو جب بات یہ ہے تو ایسی صورت میں سیدنا ابوبکر پر طعن کیوں؟

کیا سیدہ ابوبکر پر ناراض ہوئیں

اور اگر **بالفرض والمحال** ہم یہ مان بھی لیں کہ جناب سیدہ ابوبکر پر ہی ناراض ہوئی تھیں تو بھی حضرت ابوبکر پہ کوئی الزام قائم نہیں ہوتا۔ کیونکہ حضرت ابوبکر نے تو حدیث سنائی تھی جو ان کا فرض تھا۔ اب اگر اس بات پر سیدہ ناراض ہو جائیں تو ابوبکر کا اس میں کیا قصور ہے۔ کیا حضرت ابوبکر سیدہ کی خاطر حضور سید المرسلین کے حکم پر عمل نہ کرتے؟ حالانکہ یہ مسلّم ہے کہ جب حکم رسول طریقۂ صحیحہ سے مل جائے تو اس پر عمل کرنا اور اس کو ماننا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ خواہ وہ اہل بیت سے ہو یا کوئی اور۔ حکم رسول پر تو سب کو گردن جھکا دینا واجب ہے۔

الغرض اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ جناب سیدہ ابوبکر پر ناراض ہوئی تھیں تو ایسی صورت میں تو

خود سیدہ پر الزام آتا ہے کہ وہ حدیث رسول سن کر بگڑ گئیں! اور یہ بات سیدہ کی ذات سے ناممکن ہے۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ حضرت فاطمہ حدیث سن کر ناراض نہیں ہو سکتیں اور روایات میں غضب و غصہ کے جو الفاظ آئے ہیں وہ راوی کے اپنے تاثرات ہیں۔ حضرت فاطمہ کی زبان اقدس کے کلمات نہیں ہیں۔

ثانیاً۔ ان تمام بحثوں کو چھوڑ کر فرض کیجئے۔ سیدہ ابوبکر پر ہی ناراض ہوئیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ حضرت ابوبکر نے جب خود حضور سے حدیث لانورث سنی تھی۔ کہ ہم کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے تو حکمِ نبوی کے ہوتے ہوئے حضرت ابوبکر کا کیا فرض تھا۔ آیا ان کو جائز تھا کہ سیدہ کو خوش کرنے کے لیے حدیثِ رسول کو پسِ پشت ڈال دیتے۔ ہمارے خیال میں کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ سیدہ کو راضی رکھنے کے لیے ابوبکر کو حدیث پر عمل کرنا چھوڑ دینا چاہیے تھا۔ جب یہ بات مسلّم ہے تو پھر ابوبکر پر کیا الزام؟

ثالثاً۔ یہاں ہم اس امر کی وضاحت بھی کر دیں کہ شیعہ کہا کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا ہے کہ جس نے فاطمہ کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی۔ ہم کہتے ہیں یہ بات حق ہے مگر سوال یہ ہے کہ ایذا کا مفہوم کیا ہے۔ کیا اگر کوئی شخص حدیث پر عمل کرے تو اس سے سیدہ کو حقیقتاً ایذا پہنچ سکتی ہے؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں۔ تو اگر بالفرض سیدہ ابوبکر پر ناراض ہوئی ہوں تو ان کا یہ فعل تھا۔ ابوبکر نے ان کو ہرگز ناراض نہیں کیا۔ انھوں نے تو صرف حدیث سنا کر اس پر عمل کیا تھا اور اس سے حقیقتاً سیدہ کو ایذا نہیں پہنچ سکتی۔ لہٰذا اس وعید میں ابوبکر کو داخل ہی نہیں کیا جا سکتا۔

رابعاً۔ اگر شیعہ حضرات اس پر اصرار کریں کہ ہم تمہاری بات نہیں مانتے۔ سیدہ ضرور ابوبکر ہی پر ناراض ہوئی تھیں اور فاطمہ کی ناراضگی سے حضور کو ایذا پہنچتی ہے تو ہم کہیں گے ذرا سنبھل کر بات کیجیے اگر شیعوں کے ہاں ایذا کا یہی مفہوم ہے تو حضرت علی بھی اس الزام سے نہیں بچ سکتے۔ اور وہ یوں کہ کتب شیعہ سے اظہر من الشمس ہے کہ سیدہ فاطمہ حضرت علی سے ناراض ہو جایا کرتی تھیں اور اتنی سخت ناراض ہوتی تھیں کہ شدتِ غضب میں آپ کو برا بھلا کہہ دیتی تھیں (معاذ اللہ) جیسا کہ حق الیقین (شیعوں کی کتاب) کی عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت علی سے سیدہ کو کوئی ایذا پہنچتی تھی جبھی تو وہ ناراض ہوتی تھیں۔ تو اگر مطلقاً سیدہ کی ناراضگی سے حضور اکرم کو ایذا پہنچتی ہے تو یہاں بھی پہنچنی چاہیے اور جب بھی اور جس وقت بھی فاطمہ حضرت علی سے ناراض ہوتی ہوں فوراً حضور بھی ناراض ہو جانے چاہئیں۔ پھر اس بنیاد پر جو الزام قائم ہو گا وہی حضرت علی پر بھی عائد ہو جائے گا۔ شیعہ حضرات ذرا اس امر پر انصاف و دیانت

کے ساتھ غور فرمالیں۔

خامسًا۔ اگر شیعہ یہ کہیں کہ حضرت علی و فاطمہ کی شکر رنجی اور ناراضگی اگر ہوتی ہوگی تو وہ عارضی ہوتی تھی جیسے میاں بیوی میں بعض اوقات ہو جایا کرتی ہے تو اس کے لئے ہمارے پاس دو نہایت ہی معقول جواب ہیں۔

اوّل آپ نے تسلیم کر لیا کہ عارضی ناراضگی حقیقی ایذا پر مشتمل نہیں ہوتی ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ جو شخص حضرت فاطمہ کو حقیقی طور پر ایذا پہنچائے وہ حضور اکرم کو ایذا پہنچانے والا ہے اور یہ بات بدیہی ہے کہ حدیث رسول پر عمل کرنے سے سیّدہ کو حقیقی ایذا نہیں پہنچی اور حضرت ابوبکر نے حدیث پر عمل کر کے سیّدہ کو حقیقی ایذا نہیں پہنچائی تو نتیجہ یہ نکلا کہ سیّدہ حضرت ابوبکر سے حقیقی طور پر ناراض نہیں ہوئیں بلکہ ایسے ہی عارضی طور پر ناراض ہوئیں۔ جیسے حضرت علی سے ہو جایا کرتی تھیں۔

دوم یہ کہ جیسے عارضی طور پر سیّدہ حضرت علی سے ناراض ہو جاتی تھیں اور پھر خوش بھی ہو جاتی تھیں۔ تو اسی طرح ابوبکر سے بھی سیّدہ عارضی طور پر اس وقت ناراض ہو گئی تھیں مگر بعد میں راضی ہو گئیں۔ جیسا کہ ہم نے کتب شیعہ سے "فدک کی تاریخ" کے عنوان میں ثابت کیا ہے۔ پس جب قضیہ فدک میں سیّدہ کا ابوبکر سے راضی ہو جانا کتبِ معتبرہ شیعہ سے ثابت ہے تو ایسی صورت میں آپ کون ہیں جو ابوبکر سے راضی نہ ہوں اور اُن پر زبان طعن دراز کریں۔

سوم یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ حدیث فمن اغضبھا کا شانِ ارشاد یہ ہے کہ ایک دفعہ جناب علی مرتضیٰ نے ابوجہل کی لڑکی سے شادی کا ارادہ کیا اور نکاح کا پیغام بھی دے دیا حضرت علی مرتضیٰ کے اس فعل سے سیّدہ کو اس قدر ناگوار ہوئی کہ آپ روتی ہوئی حضور اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اس موقع پر حضور علیہ السّلام نے جو خطبہ دیا اس کے الفاظ یہ ہیں :۔

اَلَا اِنَّ فَاطِمَۃَ بِضْعَۃٌ مِنِّیْ یُؤْذِیْنِیْ مَا اٰذَاھَا وَیُرِیْبُنِیْ مَا اَرَابَھَا فَمَنْ اَغْضَبَھَا اَغْضَبَنِیْ۔	خبردار فاطمہ

غور کیجئے! یہ ہی اغضاب والی روایت ہے جس کی بنا پر شیعہ حضرات جناب صدیق اکبر پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں۔ لیکن اسی روایت کو اگر کوئی خارجی لے اُڑے تو زمین و آسمان کے قلابے ملا کر

سیدنا علی مرتضیٰ پر ذیل کے الزامات قائم کر دیے۔

ا۔ کہ علی مرتضیٰ نے ایک ایسے شخص کی لڑکی سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا جو حضور اکرم کا بدترین دشمن اور اسلام کا بدترین مخالف تھا۔

۲۔ حضرت علی کی زوجیت میں دنیا کی عورتوں کی سردار سیدہ فاطمہ زہرہ تھیں۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے ابوجہل کی لڑکی کو پیغام نکاح دے دیا۔

۳۔ حضرت علی کے اس فعل سے سیدہ کو جو صدمہ پہنچا اس کا اندازہ بھی وہی عورت کر سکتی ہے جس کا شوہر دوسری شادی کرنے کی فکر میں ہو۔

۴۔ حضرت علی کے اس فعل سے حضور سرورِ کائنات کو کیسا صدمہ پہنچا ہوگا۔ اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جس کا داماد دوسری شادی کرنے کا ارادہ کرے۔

غور کیجئے! ایک خارجی بھی اس روایت سے وہی الزامات حضرت علی پر قائم کر سکتا ہے جو شیعہ حضرت صدیق اکبر پر قائم کرتے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ خارجی کے الزامات سے حضرت علی بری ہیں تو اسی طرح شیعوں کے الزامات سے حضرت صدیق اکبر بھی بری ہیں۔

اب لیجئے اس روایت کو جو مسلم شریف میں ہے کہ سیدہ نے وفات پانے تک

لم تکلمہ حتی توفیت

ابوبکر سے بات نہیں کی۔

کہ حدیث سن لینے کے بعد پھر کبھی سیدہ نے جناب صدیق اکبر سے فدک کا مطالبہ نہیں کیا۔ چنانچہ فتح الباری میں ایک روایت کے لفظ یوں ہیں:۔ کہ پھر سیدہ نے فدک کے معاملہ میں

فلم تکلمہ فی ذالک المال

حضرت ابوبکر سے گفتگو ترک کر دی۔

ثانیاً حضرت صدیق اکبر سیدہ کے محرم نہیں تھے کہ سیدہ ان سے بلا ضرورت شرعیہ بھی ان سے کلام کرتیں۔ سیدہ کا حضرت صدیق اکبر سے پردہ تھا۔ اور بلا ضرورت شرعیہ غیر محرم سے بات کرنا ناجائز ہے۔ پھر سیدہ فاطمہ عفت و عصمت کا مجسمہ تھیں۔ لہٰذا ان کا کلام نہ فرمانا ناراضگی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس وجہ سے تھا کہ اول تو حضرت صدیق اکبر غیر محرم تھے۔ دوسرے فدک کے معاملہ میں مزید گفتگو کی ضرورت ہی نہ تھی اور حضرت ابوبکر فدک کی آمدنی سے ان کے مصارف برابر پورے کرتے رہے۔ اس لیے سیدہ کو فدک کے سلسلہ میں دوبارہ گفتگو کی ضرورت ہی نہیں ہوئی۔

مسلم کی روایت

اب لیجئے مسلم شریف کی روایت کے یہ لفظ :-

فلمّا توفیت دفنها زوجها علیؓ بن ابیطالب لیلا ولم یؤذن بها ابا بکر۔

جب حضرت فاطمہ کا وصال ہوا تو حضرت علی نے ابو بکر کو خبر نہ دی اور رات کو آپ کو دفن کر دیا۔

مسلم کی روایت سے شیعہ یہ شبہ پیدا کرتے ہیں کہ چونکہ سیدہ نے وصیت کر دی تھی کہ ابو بکر کو میرے جنازہ میں شریک نہ کیا جائے۔ اس لیے حضرت علی نے وفات سیدہ کی اطلاع ابو بکر کو نہ دی۔ اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ صحاح اہلِ سنت میں کوئی ایسی روایت ہی نہیں ہے کہ سیدہ نے ابو بکر کے متعلق ایسی کوئی وصیت کی تھی تو اس کا کوئی ثبوت ہی نہیں ہے۔ رہا یہ سوال کہ حضرت علی نے سیدہ کے انتقال کی خبر کیوں نہیں دی تو اس کا جواب یہ ہے کہ انتقال کی خبر نہ دینا کسی ناراضگی کی وجہ سے نہ تھا، اور نہ اس کی وجہ یہ تھی کہ سیدہ نے ابو بکر کو جنازہ میں شامل نہ کرنے کی وصیت کر دی تھی۔ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابو بکر کی زوجہ حضرت اسماء سیدہ کی تیمارداری کے لیے وہاں خود ہی موجود تھیں اور سیدہ کے نہلانے اور کفن وغیرہ کا کام حضرت اسماء ہی کے سپرد تھا۔ حضرت علی نے اطلاع اسی لیے نہیں بھیجی کہ حضرت اسماء نے اوّل ہی خبر کر دی ہو گی۔

فدک کی تاریخ

فدک کیا تھا۔ کہاں سے آیا۔ اس کی آمدنی کے مصارف کیا تھے؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ بعض قطعات زمین جو مسلمانوں کے حملے کے وقت کفار نے مغلوب ہو کر بغیر لڑائی کے مسلمانوں کے حوالے کر دیے تھے۔ ان میں سے ایک فدک بھی تھا جو مدینہ منورہ سے تین منزل پر ایک گاؤں تھا۔ اس کی نصف زمین یہودی نے بطور صلح کے دی تھی (۲)، اسی طرح سات قطعہ زمین اور تھی جو مدینہ سے ملحق تھی۔ جس کو یہود بن نضیر سے حاصل کیا گیا تھا۔ یہ تمام قطعات زمین مع فدک کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حاجتوں کے لیے اپنے قبضہ میں رکھ لیے تھے۔ اسی طرح بعض قطعات خیبر تھے جن کی آمدنی سے پانچواں حصہ حضور کو ملتا تھا۔ جہاد میں جو مالِ غنیمت آتا تھا اس میں بھی حضور کا حصہ مقرر تھا۔ حضورِ اکرم ان قطعات زمین سے جو آمدنی ہوتی تھی مندرجہ ذیل امور پر خرچ فرماتے تھے۔

۱۔ اپنی ذاتِ مبارک پر۔ اپنے اہل و عیال ازواج مطہرات پر۔ تمام بنی ہاشم کو بھی اسی

آمدنی سے کچھ عطا فرماتے تھے۔

۲۔ مہمان اور بادشاہوں کے جو سفیر آتے تھے۔ ان کی مہمان نوازی بھی اسی سے ہوتی تھی۔

۳۔ حاجت مندوں اور غریبوں کی امداد بھی اسی سے فرماتے تھے۔

۴۔ جہاد کے لیے اسلحہ بھی اسی آمدنی سے خرید فرماتے تھے۔

۵۔ آپ اسی آمدنی سے مجاہدین کی امداد بھی فرماتے تھے۔ جس کو تلوار کی ضرورت ہوتی اس کو تلوار اور جس کو گھوڑے یا اونٹ کی حاجت ہوتی لے دیتے۔

۶۔ اصحابِ صفہ کی خبر گیری اور ان کے مصارف بھی حضور اسی سے پورا فرماتے تھے۔ صدقہ کا جو مال آتا تھا اس سے کچھ نہیں لیتے تھے۔ آتے ہی فوراً غریبوں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔

اب ظاہر ہے کہ یہ آمدنی ان تمام مصارف کے مقابلہ میں بہت تھوڑی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ازواج مطہرات کو شکایت رہتی تھی۔ آپ نے بنی ہاشم کا جو وظیفہ مقرر کیا تھا وہ بھی مناسب تھا۔ حضرت سیّدہ فاطمہ آپ کو حد سے زیادہ عزیز تھیں۔ مگر ان کی بھی پوری کفالت نہیں فرماتے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان قطعاتِ زمین کی آمدنی حضور مخصوص مدّوں میں خرچ فرماتے تھے اور ان کو آپ نے اپنی ذاتی ملکیّت قرار نہیں دیا تھا۔ بلکہ اللہ کا مال اللہ کی راہ میں خرچ فرما دیتے تھے۔

جب حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال ہوا اور حضرت صدیق اکبر خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی فدک کی آمدنی کو انہیں مدّوں میں صرف کیا جن میں حضور اپنی حیاتِ مبارکہ میں صرف فرمایا کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر فدک کی پیداوار کو لیتے تھے اور جتنا اہل بیت کا خرچ ہوتا تھا ان کے پاس بھیج دیتے تھے اور جن جن کے حضور نے وظیفے مقرر فرما رکھے تھے حضرت صدیق اکبر باقاعدگی کے ساتھ ان کو دے دیتے تھے۔ فدک کی آمدنی خلفائے اربعہ صدیق و فاروق، عثمان و علی سب نے فدک کی آمدنی انہیں مدّوں میں صرف کی جن میں حضور کیا کرتے تھے۔ حتٰی کہ معاویہ حاکم ہوئے تو امام حسن کی وفات کے بعد مروان نے فدک کے ایک ثلث کو اپنی جاگیر بنا لیا۔ پھر اپنی خلافت کے زمانہ میں اپنے لیے خاص کر لیا اور فدک مروان کی اولاد کے پاس رہا۔ یہاں تک کہ عمر بن عبد العزیز کی حکومت ہوئی تو انھوں نے فدک کو مروان کے رشتہ داروں سے لے کر اسی حالت میں لوٹا دیا جس حالت میں حضور اکرم اور خلفائے اربعہ کے زمانہ میں تھا۔ یعنی انھوں نے فدک کی آمدنی کو انہیں مصرفوں پر خرچ کرنے کا حکم دیا۔

جن میں حضور اور خلفاء اربعہ صرف کیا کرتے تھے۔ فدک کے متعلق جو حالات ہم نے درج کیے ہیں یہ شیعہ سُنی دونوں حضرات کو تسلیم ہیں۔ اس صاف اور سیدھی تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاملہ کچھ بھی نہ تھا۔ محض بات کا تبنگڑ بنا کر سیّدنا صدّیق اکبر کو مطعون کیا گیا ہے۔ یہاں ہم خصوصیت کے ساتھ چند امور کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں جن سے اس مسئلہ کے سمجھنے میں مزید آسانی ہو گی۔

اوّل۔ فدک کی آمدنی کو جن مصارف میں حضور خرچ کرتے تھے۔ خلفائے اربعہ نے بھی انہیں مصارف میں خرچ کیا۔

دوم۔ فدک کسی کی ملکیت نہ تھا۔ صرف اس کی آمدنی کے مصارف مقرر تھے کہ اس کی آمدنی فلاں فلاں جگہ خرچ کی جائے۔

سوم۔ خلفاء اربعہ فدک کی آمدنی کو وصول کرتے تھے تو محض وکیل تھے۔ کیونکہ نظام حکومت ان کے ہاتھ میں تھا۔ اس لیے ان کا فرض تھا کہ وہ فدک کی آمدنی کو حضور کے مقرر کردہ مصارف میں خرچ کریں۔ چنانچہ خود شیعہ علماء نے اس بات کا اعتراف و اعلان کیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آمدنی فدک سے حضور کے طریقہ کے مطابق اہلِ بیت کے اخراجات پورے کیا کرتے تھے۔

١۔ نہج البلاغہ کی فارسی شرح از علامہ سید علی نقی فیض الاسلام جلد پنجم ص ٩٦٠ پر اور درنجفیہ کے ص ٣٣٢ پر ہے:۔

ابوبکر غلہ و سود آنرا گرفتہ بقدر کفالت باہل بیت علیہم السلام میداد	حضرت ابوبکر فدک کی آمدنی سے اہل بیت کا خرچ ان کی ضرورت کے

مطابق دیا کرتے تھے۔ اسی طرح علامہ میثم بحرانی شرح نہج البلاغہ ص ٥٤٣ پر اور علامہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد دوم ص ٢٩٦ پر تحریر کرتے ہیں:۔ اور حضرت ابوبکر فدک کی آمدنی سے

وکان ابوبکر یاخذ غلتها فیدفع الیهم منها مایکفیهم	اہلِ بیت کو دیتے تھے جو ان کو کافی ہو جاتا تھا۔

ان چار علماء شیعہ کے اعتراف و اعلان سے واضح ہو گیا کہ سیّدنا صدیق اکبر نے فدک میں وہی عمل کیا جو حضور کیا کرتے تھے۔ آپ نے فدک میں کوئی خیانت نہیں کی۔ نہ اس کو غصب کیا

بلکہ حضور کی مرضی و منشا کے مطابق اس میں عمل فرمایا۔ شیعہ حضرات حضرت صدیق اکبر پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انھوں نے اہل بیت کو فدک سے محروم کر دیا۔ حالانکہ ان کے مقتدر علماء یہ اقرار کر رہے ہیں کہ صدیق اکبر فدک کی آمدنی سے اہل بیت کو اتنا دے دیتے تھے کہ یکفیہم جو اہلِ بات کو کافی ہو جاتا تھا۔

غور کیجیے۔ حضرت صدیق اکبر کا فدک کی آمدنی کو اہل بیت پر خرچ کرنا اہل بیت کو فدک سے محروم کر دینا ہے۔

دوسری بات یہ بھی واضح ہو گئی کہ اگر حضرت فاطمہ حضرت صدیق اکبر پر ناراض ہوتیں تو ان کی خدمات کو ہرگز قبول نہ فرماتیں۔ آدمی جس سے واقعی ناراض ہوتا ہے اور جس کو اپنا دشمن سمجھتا ہے اسکی تو صورت بھی دیکھنا گوارہ نہیں کرتا۔ چہ جائیکہ گھر کے سارے اخراجات وصول کرلے۔ حضرت سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کا جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے گھر کے اخراجات وصول فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت سیدہ صدیق اکبر سے راضی تھیں اور جو عمل صدیق اکبر فدک میں کر رہے تھے، اس سے بھی راضی تھیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو جناب سیدہ صدیق اکبر سے کہہ دیتیں کہ صدیق! فدک تو میرا حق ہے تم اس کی آمدنی سے میرے اخراجات پورے کرنے والے کون! لیکن جناب سیدہ نے ایسا نہیں کیا بلکہ صدیق اکبر گھر کے خرچ کے لیے جو رقم دیتے تھے اس کو قبول فرمایا۔ جو ان کی رضامندی کی دلیل ہے۔

چہارم۔ خلفاء اربعہ کے زمانہ سے لے کر حضرت امام حسینؓ تک فدک کی آمدنی بدستور حضور کے مقرر کردہ مصارف میں خرچ ہوتی رہی۔ لیکن حضرت امام حسن کی وفات کے بعد مروان نے اس پر ناجائز قبضہ کرلیا۔ حتیٰ کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز جو نیک اور عادل حاکم تھے انھوں نے اپنے دورِ حکومت میں مروان کے رشتہ داروں سے فدک کو لے لیا اور اس کی آمدنی کو اسی طرح خرچ کرنے کا حکم دیا۔ جیسا کہ حضور اکرم اور خلفاء اربعہ کے زمانہ میں اس کی آمدنی خرچ ہوتی تھی۔

قضیۂ فدک میں سیدہ فاطمہ کا راضی ہونا

یہ ایک حقیقت ہے جس کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ لیکن افسوس شیعہ حضرات اس بات میں انتہائی ڈھٹائی سے کام لے کر اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ مرتے دم تک حضرت ابوبکر سے ناراض رہیں۔ حتیٰ کہ آپ نے وصیت کر دی کہ ابوبکر کو میرے جنازہ میں بھی شریک نہ کیا جائے۔

یہ ناراضگی اور جنازہ میں عدمِ شرکت کا قصہ صرف اس لیے تصنیف کیا گیا ہے کہ شیعوں کے زعمِ باطل میں حضرت فاطمہ فدک کی وجہ سے آپ سے ناراض تھیں. کیونکہ اگر یہ ثابت ہو جائے. سیدہ فاطمہ حضرت ابوبکر سے راضی تھیں تو شیعوں کے لیے طعن کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی. اس لیے ہم فریقین کی کتب سے سیدہ فاطمہ کی رضامندی کا ثبوت پیش کرتے ہیں.

شیعوں کی معتبر اور مشہور ترین کتاب شرح نہج البلاغہ ابن میثم بحرانی جز ۳۵ صہ ۵۴۳ میں یہ روایت ہے کہ حضرت ابوبکر نے جب سیدہ کا کلام سنا تو حمد کی درود پڑھا اور پھر حضرت فاطمہ کو مخاطب کر کے کہا کہ اے افضل عورتوں کی اور بیٹی اس ذات مقدس کی جو سب سے افضل ہے. میں نے رسول کی رائے سے تجاوز نہیں کیا. اور نہیں عمل کیا میں نے مگر رسول کے حکم پر. بے شک تم نے گفتگو کی اور بات بڑھا دی. اور سختی اور ناراضی کی. اب اللہ معاف کرے ہمارے لیے اور تمہارے لیے. اور میں نے رسولؐ کے ہتھیار اور سواری کے جانور علی کو دے دیے لیکن جو کچھ اس کے سوا ہے اس میں میں نے رسولِ کریم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے. کہ ہم جماعت انبیاء نہ سونے کی میراث دیتے ہیں،

انا معاشر الانبیاء لا نورث ذھبًا ولا فضة ولا ارضًا ولا عقارًا ولا دارًا ولکنا نورث الایمان والحکمة والعلم والسنة وعملت بما امرنی ونصحت	نہ چاندی کی، نہ زمین کی، نہ کھیتی کی اور نہ مکان کی میراث دیتے ہیں لیکن ہم میراث دیتے ہیں ایمان اور حکمت اور علم اور سنت کی اور عمل کیا میں نے اس پر جو مجھے حکم کیا تھا (رسول نے) اور میں نے نیک نیتی کی.

اس کے بعد یہ ہے کہ حضرت فاطمہ نے یہ فرمایا کہ حضور نے فدک مجھ کو ہبہ کر دیا تھا جس پر انھوں نے علی اور ام ایمن کو گواہ پیش کیا. جنھوں نے گواہی دی. پھر عمر آئے. انھوں نے اور عبدالرحمٰن بن عوف نے یہ گواہی دی کہ حضور فدک کی آمدنی تقسیم فرما دیتے تھے. اس پر حضرت صدیق اکبر نے فرمایا. تم سب سچے ہو. مگر اس کا تصفیہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدک کی آمدنی سے تمہارے

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاخذ من فدک قوتکم ویقسم	گزارے کے لیے رکھ لیتے تھے، اور باقی جو بچتا تھا اسکو تقسیم فرما دیتے

الباقی ویحمل فیه فی سبیل الله ولك
علی الله ان اصنع بها کما کان
یصنع فرضیت بذلك واخذت
العهد علیه به وکان یاخذ
غلتها فیدفع الیهم منها ما
یکفیهم ثم فعلت الخلفاء
بعدہ ذلك

(شرح میثم مطبوعہ ایران جلد ۳۵)

تھے اور اللہ کی راہ میں اس میں سے
اٹھاتے تھے اور میں تمہارے لیے
اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ فدک میں وہی
کروں گا جو رسول کرتے تھے تو اس پر
فاطمہ راضی ہو گئیں اور فدک میں اسی پر
عمل کرنے کو ابوبکر سے عہد لے لیا اور ابوبکر
فدک کی پیداوار کو لیتے تھے اور جتنا
اہل بیت کا خرچ ہوتا تھا ان کے پاس
بھیج دیتے تھے۔ پھر ابوبکر کے بعد اور خلفاء نے بھی اسی طرح کیا۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضرت سیدہ کی رضامندی والی یہ روایت صرف ابن میثم ہی نے نہیں بلکہ متعدد علمائے شیعہ نے اپنی کتابوں میں ذکر کی ہے جن کے نام یہ ہیں :-

۱۔ درِ نجفیہ شرح نہج البلاغہ مطبوعہ طہران ص ۳۳۲
۲۔ حدیدی شرح نہج البلاغہ جلد دوم جزء ۱۶ ص ۲۹۶
۳۔ سید علی نقی فیض الاسلام کی تصنیف فارسی شرح نہج البلاغہ جزء ۵ ص ۹۶۰

رضامندی کی اس روایت سے مندرجہ ذیل امور معلوم ہوئے :-

اول : فدک کے متعلق حضور کے طرز عمل اور صدیق اکبر کے طرزِ عمل میں کوئی تفاوت نہیں تھا۔

دوم : حضرت فاطمہ صدیق اکبر سے راضی تھیں اور صدیقی طرز عمل آپ کو پسند تھا۔

قارئین کرام! للہ انصاف کیجیے! اس روایت سے جو شیعوں کی معتبر مذہبی کتاب کی ہے بالکل واضح لفظوں میں یہ ثابت ہو گیا کہ سیدہ فاطمہ صلوات اللہ علیہا قضیۂ فدک میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور ان کے اس فیصلہ سے جو انھوں نے حدیثِ رسول کے ماتحت کیا راضی ہو گئیں۔ اور سیدہ نے اس امر کا حضرت ابوبکر سے عہد بھی لے لیا کہ ابوبکر فدک کی آمدنی سے اہل بیت کے اخراجات پورے کریں گے۔ ایسی صاف و صریح رضامندی کے بعد بھی شیعہ حضرات جناب صدیق اکبر پر زبان طعن دراز کریں تو اس کا علاج واقعی کچھ نہیں ہے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ سیدہ کے راضی ہو جانے کے بعد

کسی محب اہل بیت کے لیے تو یہ گنجائش باقی نہیں رہتی کہ وہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کر سکے۔ البتہ ناانصافی سے کام لینا دوسری بات ہے۔

سوم: اہل بیت کے اخراجات تمام عمر حضرت صدیق اکبر فدک کی آمدنی سے پورے کرتے رہے۔ اور سیّدہ اپنے اخراجات حضرت صدیق اکبر سے وصول کرتی رہیں اور صدیق اکبر کے طرزِ عمل کو فرماتی رہیں۔

چہارم: نہ صرف صدیق اکبر بلکہ تینوں خلفاء بھی ایسا ہی کرتے رہے۔ اور انھوں نے فدک میں وہ طرزِ عمل اختیار کیا جو حضور علیہ السّلام اور ان کے بعد صدیق اکبر نے اختیار کیا۔

حضرت عمر سے بھی سیّدہ راضی تھیں

شیعوں کی مشہور مذہبی کتاب حق الیقین مطبوعہ ایران کے صفحہ ۱۷۱ پر ہے:۔

> کہ چوں علی و زبیر بیعت کردند و ایں
> فتنہ فرو نشست۔ ابوبکر آمدہ شفاعت
> از برائے عمر و فاطمہ از و راضی شد۔

پھر جب حضرت علی و زبیر نے بیعت کر لی تو حضرت ابوبکرؓ آئے اور حضرت عمر کے متعلق سفارش کی تو حضرتؓ فاطمہ عمر سے بھی راضی ہو گئیں۔

اسی طرح طبقات ابن سعد جلد ۸ مطبوعہ ایران کے صفحہ ۱۷ پر ہے۔

> جاء ابوبکر الیٰ فاطمۃ حین
> مرضت فاستأذن فقال علیؑ
> ھٰذا ابوبکر علی الباب فان شئت
> ان تأذنی لہٗ قالت وذلک احبّ
> الیک قال نعم فدخل علیہا واعتذر
> الیہا وکلمہا و رضیت عنہ

حضرت ابوبکر فاطمہ کے پاس آئے جبکہ وہ بیمار تھیں۔ انھوں نے اجازت چاہی تو حضرت علی نے کہا ابوبکر دروازہ پر ہیں اگر تم چاہو تو ان کو اجازت دے دو۔ حضرتؓ فاطمہ نے کہا کہ تم (علی) اس کو محبوب رکھتے ہو۔ علی نے فرمایا۔ ہاں بس حضرت ابوبکر داخل ہوئے عذر کیا اور فاطمہ حضرت ابوبکر سے راضی ہو گئیں۔

روایاتِ فریقین سے ظاہر ہے کہ سیّدہ فاطمہ بوقت وفات سیّدنا صدیق اکبر سے بالکل راضی تھیں اور کسی قسم کی کبیدگی ان کے درمیان نہ تھی۔

حضرت سیّدہ کی نمازِ جنازہ میں حضرتؓ ابوبکر کی شرکت

شیعہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر سیّدہ فاطمہ کے نمازِ جنازہ میں شریک نہیں ہوئے اور

اسکی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ سیدہ نے وصیت کردی تھی کہ ابوبکر میرے جنازہ میں شریک نہ ہوں۔ اس کے جواب میں پہلے تو ہم ایک اصولی بات کہنا چاہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ کے جنازہ میں کسی شخص کا بالتخصیص شریک ہونا نہ فرض تھا اور نہ واجب۔ اور اگر بالفرض شیعہ ہر فرد کی شرکت فرض سمجھتے ہیں اور عدم شرکت کو منافی اسلام سمجھ کر شریک نہ ہونے والوں پر زبان طعن دراز کرتے ہیں تو ان کے پاس اس کا کیا جواب ہے کہ ان کی مستند روایات کے مطابق صرف سات آدمیوں نے حضرت فاطمہ کی نماز جنازہ پڑھی۔ چنانچہ شیعوں کی معتبر کتاب جلاء العیون میں کلینی سے روایت ہے:-

از حضرت امیرالمومنین صلوات اللہ علیہ روایت کردہ است کہ ہفت کس بر جنازۂ حضرت فاطمہ نماز کردند۔ ابوذر سلمان۔ حذیفہ۔ عبداللہ بن مسعود و مقداد و من امام ایشاں بودم (جلاء العیون)	حضرت امیرالمومنین علی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ صرف سات آدمیوں نے فاطمہ کی نماز جنازہ پڑھی جن کے نام یہ ہیں۔ ابوذر۔ سلمان، حذیفہ، عبداللہ بن مسعود، مقداد اور میں ان کا امام تھا

جلاء العیون کی اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف سات افراد نے سیدہ فاطمہ کے نماز جنازہ میں شرکت کی جو اوپر مذکور ہیں اور مندرجہ ذیل افراد نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوئے۔ مثلاً حضرت امام حسن اور حسین۔ عبداللہ بن عباس، عقیل بن ابی طالب برادر حقیقی حضرت علی، جعفر بن ابی طالب۔ قیس بن سعد بن عبادہ، ابوایوب انصاری، ابوسعید خدری، سہل بن حنیف بلال، صہیب۔ براء بن عازب، ابورافع، یہ بارہ افراد ہیں جن کو شیعہ بھی مانتے ہیں۔ اور ان کی جلالت قدر کے قائل ہیں (ملاحظہ ہو حیات القلوب، رجال کشی، رجال نجاشی) تو اب سوال یہ ہے کہ اگر بالفرض حضرت صدیق سیدہ فاطمہ کی نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوئے اور یہ بھی فرض کر لیجیے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ سیدہ ان سے ناراض تھیں تو شیعہ ان بارہ حضرات کے متعلق کیا کہیں گے۔ یہ بھی تو سیدہ کے نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوئے۔ کیا ان سے بھی سیدہ ناراض تھیں اور کیا سیدہ فاطمہ نے یہ وصیت بھی کردی تھی کہ میرے نماز جنازہ میں حسن و حسین بھی شریک نہ ہوں جو ان کے لاڈلے بیٹے تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ جنازہ کی شرکت یا عدم شرکت کو ناراضگی یا رضامندی کی بنیاد بنانا ہی غلط ہے اور اگر اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر حضرت حسن حسین عبداللہ بن عباس اور دیگر افراد کے متعلق بھی یہ کہنا پڑے گا کہ ان سے حضرت فاطمہ ناراض تھیں۔ کیونکہ

جلاء العیون کی روایت کے مطابق یہ حضرات بھی سیدہ کے جنازہ میں شریک نہیں ہوئے ۔ پس ثابت ہوا کہ اگر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ بھی جائے کہ حضرت صدیق نے سیدہ کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی تو اس کو حضرت صدیق سے سیدہ کی ناراضگی کی دلیل بنانا کسی طرح بھی درست نہیں ہے ۔

اس کے علاوہ شیعوں کی معتبر کتابوں سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی زوجۂ محترمہ اسماء بنتِ عمیس کو جناب سیدہ کی خدمت کے لیے چھوڑ دیا تھا اور حضرت اسماء سیدہ کی تیمارداری کی تمام خدمات انجام دیتی تھیں اور شبانہ روز ان کے گھر میں مقیم تھیں ۔ حضرت فاطمہ نے بوقتِ وفات انہیں کو غسل دینے ، کفن پہنانے اور جنازہ تیار کرنے کی وصیت فرمائی تھی ۔ اس کے ثبوت کے لیے کسی کتاب کے حوالہ کی ضرورت نہیں ہے ۔ کیونکہ یہ واقعات شیعوں کی ہر اس کتاب میں مذکور ہیں جس میں حضرت فاطمہ کی وفات اور تجہیز و تکفین کے واقعات درج ہیں ۔ جیسے جلاء العیون ، ناسخ التواریخ وغیرہ ۔ نہ صرف یہ بلکہ کتبِ شیعہ میں یہ بھی تصریح ہے کہ جب حضرت فاطمہ کو یہ خیال ہوا کہ کپڑے سے عورتوں کا پردہ اچھی طرح نہیں ہوتا ہے تو گہوارہ کا مشورہ حضرت ابوبکر کی زوجہ محترمہ ہی نے دیا تھا اور یہ بیان کیا تھا کہ حبشہ میں انھوں نے یہ صورت دیکھی ہے کہ جنازہ پر لکڑیاں باندھ کر گہوارہ بناتے ہیں چنانچہ اسی صورتِ گہوارہ کو جناب سیدہ نے پسند کیا اور حضرت ابوبکر کی زوجہ محترمہ نے موافقِ وصیت جنابِ سیدہ ان کے غسل و تجہیز و تکفین میں شریک ہوئیں ۔ اس سچے تاریخی واقعہ سے جو شیعوں کی تمام کتب میں موجود ہے ۔ مندرجہ ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے ۔

اوّل : اگر جنابِ سیدہ حضرت ابوبکر صدیق سے ناراض ہوتیں تو حضرت فاطمہ کبھی ان کی زوجۂ محترمہ سے خدمت لینا پسند نہ کرتیں اور نہ حضرت ابوبکر ہی اپنی زوجہ کو یہ اجازت دیتے کہ وہ شبانہ روز سیدہ کے گھر مقیم رہیں اور ہمہ تن ان کی تیمارداری میں مشغول و مصروف رہیں ۔

دوم : بالکل وضاحت سے ثابت ہوا کہ حضرت سیدہ حضرت ابوبکر سے قطعاً راضی تھیں اور اسی سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ حضرت ابوبکر کو اپنی زوجہ محترمہ سے سیدہ کے حالات معلوم ہو جاتے تھے ۔ یا وہ خود اپنی زوجہ سے پوچھ لیتے تھے ۔ یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ وفات کی اطلاع خصوصی طور پر حضرت ابوبکر کو بھیجنے کی ضرورت نہ تھی ۔ کیونکہ جب ان کی زوجہ محترمہ سیدہ کی تیمارداری میں مصروف تھیں تو حضرت ابوبکر کو ایک ایک پل کے حالات معلوم ہوتے رہتے ہوں گے ۔ چنانچہ

شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے مشکوٰۃ کی جلد آخر میں یہ روایت نقل کی ہے کہ گہوارہ کی خبر پا کر ابوبکر یہ پوچھنے آئے کہ یہ نئی چیز کیوں بنائی تو حضرت ابوبکر کی زوجہ نے ان کو سمجھا دیا کہ جناب سیدہ نے اس کی وصیت کی تھی اور گہوارہ کو پسند کیا تھا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر خاموش ہو گئے۔ ان مذکورہ بالا امور سے واضح ہو گیا کہ سیدہ فاطمہ بوقتِ وفات حضرت ابوبکر سے بالکل راضی تھیں۔ لہذا جنازہ میں ابوبکر کی عدمِ شرکت بالکل خلافِ عقل دعویٰ معلوم ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا تصریحات سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ضرور سیدہ کے جنازہ میں شریک ہوئے۔

حضرت فاطمہ کی نماز جنازہ حضرت ابوبکر نے پڑھی

چنانچہ بخاری یا صحاح کی کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر جنازہ کی نماز میں شریک نہ تھے۔ بلکہ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر نماز جنازہ کے امام تھے۔

طبقات ابنِ سعد میں امام شعبی و امام نخعی سے دو روایتیں مروی ہیں:۔

۱۔ عن الشعبی قال صلی علیها ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲) عن ابراهیم قال صلی ابوبکر الصدیق علی فاطمة بنت رسول اللہ وکبر علیها اربعًا	امام شعبی و ابراہیم نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہ بنتِ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھائی اور انھوں نے نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہیں۔

ثابت ہو گیا کہ بوقتِ وفات حضرت ابوبکر و سیدہ فاطمہ میں کوئی شکر رنجی و کبیدگی نہ تھی۔ اور حضرت ابوبکر نے نماز جنازہ کی نماز کی امامت کی۔ ان حقائق کے ہوتے ہوئے بھی یہ کہنا کہ سیدہ حضرت ابوبکر سے ناراض تھیں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔

سیدہ فاطمہ کے پاس سات گاؤں تھے

یہاں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ سیدہ فاطمہ کے پاس فدک کے علاوہ بھی حضور کے سات گاؤں تھے جن کے نام یہ ہیں:۔

دلال عفاف، حسنی، صافیہ، مالام ابراہیم، مبیت، برقہ، چنانچہ فروع کافی کی جلد ثالث میں ہے کہ احمد بن محمد نے امام موسیٰ کاظم سے ان سات باغوں کا حال پوچھا تو انھوں نے فرمایا:۔ میراث نہ تھے بلکہ وقف تھے

۱۔ لا انما کانت وقفا و کان رسول اللہ یاخذ الیه منها ما ینفق علی اضیافه، ۲۔ فلما قبض جاء العباس یخاصم	اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے اس قدر لے لیتے تھے جو مہمانوں کے خرچ کو کافی ہو۔ پھر جب رسول کا انتقال ہو گیا

فاطمة فيها فشهد علي عليه السلام وغيره انها وقف على فاطمة عليها السلام۔

تو عباس ان کی بابت حضرت فاطمہ سے جھگڑے تو حضرت علی اور دوسروں نے اس بات کی گواہی دی کہ یہ وقف ہیں فاطمہ پر۔

فروع کافی جو شیعہ مذہب کی مشہور کتاب ہے اس کی اس روایت سے مندرجہ ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے:۔

۱۔ سیدہ فاطمہ کے پاس فدک کے علاوہ حضور اکرم کے سات گاؤں تھے۔ مگر یہ وقف تھے اور حضور اکرم مہمانوں کے لیے ان کی آمدنی سے کچھ لیا کرتے تھے (۲) حضور اکرم کے وصال کے بعد حضرت عباس نے ان میں میراث کا جھگڑا کیا تو جناب سیدہ نے حضرت علی کی گواہی پر ان کو یہی جواب دیا کہ یہ تو وقف ہیں اور ان میں میراث جاری نہیں ہوگی۔ پس جس طرح حضرت علی کے بیان پر ان سات باغوں میں میراث جاری نہ ہوئی اور سیدہ نے ان میں سے حضرت عباس کو ایک حبہ بھی نہ دیا تو اسی طرح اگر حضرت ابوبکر نے حدیث رسول کو نقل کر کے یہ فرمایا کہ فدک میں میراث جاری نہیں ہو سکتی تو کونسا ظلم کیا۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول کریم کی حدیث سنا دی کہ انبیاء کے مال میں میراث نہیں ہوتی اور جو مال وہ چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔ پھر حضرت ابوبکر پر کیا طعن ہے۔ کیا ان کو حدیث پر عمل کرنا واجب تھا۔ پس اگر سیدہ فاطمہ نے مالِ وقف سے حضرت عباس کو میراث نہ دے کر کوئی جرم نہ کیا تو حضرت ابوبکر نے بھی حدیث پر عمل کر کے کوئی جرم نہیں کیا۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ حضرت ابوبکر نے سیدہ فاطمہ سے بغض و عناد کی وجہ سے میراث کی نفی نہیں کی تھی۔ ایسا ہوتا تو آپ ازواج مطہرات اور حضرت عباس جو حضور کے چچا تھے خصوصاً حضرت عائشہ جو ان کی بیٹی تھیں، ان کو میراث دے دیتے۔ کیونکہ ان سے آپ کو کوئی بغض نہ تھا۔ ثانیاً۔ اگر خلفاء کا فیصلہ غلط تھا تو حضرت علی اپنے دورِ خلافت میں میراث جاری فرما دیتے۔ مگر جناب امیر نے خود فدک میں وہی عمل کیا جو خلفاء نے کیا تھا۔ اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ صدیق اکبر کا فیصلہ صحیح تھا اور جناب امیر بھی اس کو صحیح سمجھتے تھے۔ اگر وہ غلط ہوتا تو جناب امیر اپنے زمانہ میں ضرور اس میں میراث جاری کرتے۔ ثالثاً۔ اگر حضرت صدیق اکبر نے یہ فیصلہ سیدہ کے بغض و عناد کی وجہ سے کیا تھا تو پھر آپ نے ساری جائداد سیدہ کے حضور کیوں پیش کی۔

حضرت ابوبکر نے اپنی جائداد سیدہ فاطمہ کے سامنے پیش کر دی

حضرت صدیق اکبر کا اپنی جائداد کو جناب سیدہ کے حضور نہایت

التجا کے ساتھ پیش کرنا اس امر کی بہت بڑی دلیل ہے کہ صدیق اکبر کو سیدہ سے کسی قسم کا عناد نہ تھا اور میراث حضور اکرم کی حدیث کی بنا پر آپ نے منع کی تھی۔ چنانچہ شیعہ مذہب کی معتبر کتاب حق الیقین میں ہے کہ جناب سیدہ مطالبہ فدک کا پڑھ چکیں تو خلیفہ اوّل نے بہت سے مناقب جناب سیدہؓ کے بیان کیے اور بہت معذرت کے بعد یہ کہا:۔

داموال و احوال خود را از تو مضائقہ نمے کنم۔ آنچہ خواہی بگیر تو سیدۂ امت پدر خودی و شجر طیبہ از برائے فرزندان خود انکار فضل تو کسے نمے تواند کرد و حکم تو نافذ است در اموالِ من۔ اما در اموال مسلماناں مخالفت گفتۂ پدر تو نمیتوانم کرد۔
(حق الیقین ملّا مجلسی ص۲۳۱)

اور میرے جملہ اموال و احوال میں تمہیں اختیار ہے۔ آپ جو کچھ چاہیں بلا تامّل لے سکتی ہیں۔ آپ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی سردار ہیں اور اپنے فرزندوں کے لیے شجرۂ طیبہ ہیں آپ کی فضیلت کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اور آپ کا حکم میرے تمام مال میں نافذ ہے لیکن مسلمانوں کے مال میں تمہارے والد ماجد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان واجب الاذعان کی مخالفت نہیں کر سکتا۔

لِلّٰہ انصاف کیجیے۔ سیدنا صدیق اکبر سیدہ فاطمہ کے حضور میں التجا کر رہے ہیں کہ میری دولت حاضر ہے تم جو چاہو لے سکتی ہو۔ مجھے کوئی عذر نہیں ہے۔ تمہارا حکم نافذ ہے۔ تمہارا فضل و شرف مسلّم ہے۔ تمہاری عظمت و رفعت سے کسی کو انکار نہیں ہے میرا مال حاضر ہے مگر اموال مسلمین یعنی فدک' یہ وقف ہے۔ اس میں تمہارے ہی والد محترم و مکرم حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق میراث جاری نہیں ہو سکتی۔ اب تم ہی بتاؤ کہ میں فدک میں میراث جاری کر کے رسول کے حکم کی کیسے مخالفت کروں۔ صدیق اکبر کے اس بیان سے جو شیعوں کی ہی مذہبی کتب میں مذکور ہے۔ یہ واضح ہو گیا کہ فدک حضرت صدیق نے صرف اس لیے نہیں تقسیم کیا کہ اس کے متعلق حضور کا ارشاد موجود تھا۔

ثانیاً۔ حق الیقین کے اس حوالہ سے اصل اعتراض کی بھی دھجیاں اڑ گئیں جو شیعوں کے مشہور عالم سید محمد مہدی نے اپنی تصنیف سواء السبیل کے ص۱۹۵ پر کیا ہے۔" کہ اگر ابوبکر خطاوار نہ تھے تو انھوں نے معذرت کیوں کی۔ کیا بغیر قصور کیے بھی کوئی معذرت کرتا ہے۔ "آنرا کہ حساب پاک است از محاسبہ چہ باک"

تو اس کا جواب بھی حق الیقین کے حوالے سے ہو گیا۔ کہ حضرت صدیق اکبر نے اپنے قصوروار ہونے کی وجہ سے معذرت نہیں کی تھی بلکہ اس لیے کی تھی کہ ان کے دل میں جناب سیدہ کی انتہائی تعظیم و توقیر تھی اور وہ چاہتے یہ تھے کہ سیدہ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ اور وہ کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ میں میراث کی نفی اپنی طرف سے کر رہا ہوں۔ اس لیے بار بار وہ اس امر کی وضاحت کرتے تھے کہ میراث کی نفی میں نے تمہارے پدر بزرگوار حضور سید المرسلین کے حکم کی بنا پر کی ہے اور عملی طور پر اس کی دلیل یہ پیش فرماتے تھے کہ میرا تمام مال و دولت آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ چاہو تو اس کو قبول کر لو

کیا حضرت علی نے فدک تقسیم کیا؟

یہاں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ تمام کتب تواریخ اس پر شاہد ہیں کہ فدک زمانۂ علوی میں بھی اسی طرح رہا جیسے صدیق و فاروق کے دورِ خلافت میں تھا اور حضرت علی نے بھی فدک میں وہی طریقہ جاری رکھا جو صدیق اکبر نے جاری رکھا تھا۔ تو اگر حضرت صدیق اکبر نے اپنے دورِ حکومت میں فدک غصب کر لیا تھا تو جناب علی مرتضیٰ کا فرض تھا کہ وہ فدک کو تقسیم کرتے اور اس وقت جو اس کے وارث موجود تھے ان کو دے دیتے۔ اور جو ناجائز بات چلی آ رہی تھی اور جو ظلم روا رکھا گیا اس کو اپنے دورِ خلافت میں ختم کر دیتے کیونکہ خود حضرت علی فرماتے ہیں کہ امام کے لیے پانچ امر ضروری ہیں :-

(۱) خوب وعظ کہنا (۲) لوگوں کی خیر خواہی میں خوب قوت صرف کرنا (۳) نبی کی سنت کو زندہ کرنا۔ (۴) سزاؤں کے حقداروں کو سزا دینا (۵) حقداروں کو ان کے حقوق واپس لوٹا دینا (نہج البلاغہ مصری ص ۲۰۲ ج ۱

اسی طرح رجال کشی میں حضرت علی کا یہ ارشاد مذکور ہے :-

انی اذا ابصرت شیئاً منکراً اوقدت ناراً و دعوت قنبراً۔ (رجال کشی ص ۱۹۹)	جب میں خلافت شریعت کا کام دیکھتا ہوں تو آگ جلاتا ہوں اور قنبر کو بلاتا ہوں۔ اسی بنا پر آپ نے ان لوگوں کو آگ میں جلا

دیا تھا۔ جو آپ کو خدا کہنے لگ گئے تھے۔ پھر فرماتے ہیں :-

ولا المعطل للسنۃ فیھلک الامۃ (نہج البلاغہ ص ۳۹۵)	امام ایسا نہیں ہونا چاہیئے جو پیغمبر کے طریقے کو چھوڑ دے ورنہ امت ہلاک ہو جائیگی۔

لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جناب علی مرتضیٰ نے فدک میں وہی طریقہ جاری رکھا جو سیدنا صدیق اکبر کا تھا

جو اس امر کی بہت بڑی دلیل ہے کہ علی مرتضیٰ کے نزدیک فدک میں صدیقی طرزِ عمل حق و ثواب تھا اور علی مرتضیٰ صدیقی طرزِ عمل کو بالکل شریعتِ اسلامیہ کے مطابق جانتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ شیعہ حضرات کا صدیقی خلافت میں غصب فدک کا قول کرنا حضرت علی کی امامت و خلافت پر شرمناک حملہ ہے۔ کیونکہ اگر یہ مان لیا جائے کہ صدیق اکبر نے فدک غصب کر لیا تھا تو حضرت علی پر بھی یہ الزام قائم ہوگا۔ کہ انہوں نے فدک کو صدیقی خلافت کے دستور پر جاری رکھ کر امامت و خلافت کا حق ادا نہیں کیا۔ حضرت صدیق اکبر اگر غاصب فدک ثابت ہوں گے تو علی مرتضیٰ غصب کے برقرار رکھنے والے۔ **سوچئے** کہ غصب کرنے والا زیادہ مجرم ہے یا غصب کو برقرار رکھنے والا۔ اور غاصبوں کے طرزِ عمل کی باوجود حکومت و سلطنت کے حمایت کرنیوالا (معاذ اللہ)

غرضیکہ قضیہ فدک میں جناب علی مرتضیٰ کا طرزِ عمل دنیائے شیعیت پر بہت بھاری حجت ہے۔ اگر صدیق اکبر کی خلافت پر اعتراض ہوگا تو سیدنا علی کی خلافت پر بھی حرف آئے گا۔ پس جناب علی مرتضیٰ کا اراضی فدک کو اسی دستور پر رکھنا جس پر کہ جناب صدیق اکبر نے رکھا تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقانیت اور ان کے طرزِ عمل کی صحت پر دلیل ظاہر ہے۔

اس موقع پر شیعہ یہ کہا کرتے ہیں کہ حضرت علی نے فدک اس لیے تقسیم نہیں کیا کہ اہلِ بیت مالِ مغصوب واپس نہیں لیا کرتے۔ لیکن یہ بات انتہائی لچر ہے۔ مجالس المومنین میں ملا نور اللہ شوشتری نے لکھا ہے۔ عمر بن عبد العزیز نے اپنے دورِ حکومت میں فدک امام باقر کی تحویل میں دے دیا تھا۔ اگر بزعم شیعہ اہلِ بیت اشیائے مغصوبہ نہیں لیا کرتے تو امام باقر نے جو شیعوں کے نزدیک معصوم ہیں۔ فدک واپس لے کر اپنے آباؤ اجداد کا کیوں خلاف کیا؟ اس کے علاوہ علی مرتضیٰ نے خلافتِ مغصوبہ کو کیوں قبول کیا اور حضرت امام حسین خلافتِ مغصوب کی خاطر یزید سے کیوں لڑے؟ چونکہ معصومین کا ایک سا حال ہوتا ہے۔ تو اس جواب سے تو شیعوں پر بہت سے اعتراض پڑ جائیں گے۔ اس لیئے آپ کو ماننا پڑے گا کہ فدک کو حضرت علی نے اس لیے تقسیم نہیں کیا کہ ان کے نزدیک صدیق و فاروق کا فیصلہ اور عمل صحیح و ثواب تھا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو حضرت علی ضرور اس فرض کو ادا فرماتے اور کسی حالت میں بھی کوتاہی نہ فرماتے۔

ازواج مطہرات کے حجرے

ایک اعتراض شیعہ یہ بھی کرتے ہیں کہ اگر نبی کی میراث تقسیم نہیں ہوتی تو ازواج مطہرات کو میراث میں حجرے کیوں دیے گئے۔ اس کا جواب یہ ہے

کہ ازواج مطہرات کے پاس جو حجرے تھے وہ بطور میراث ان کو نہیں ملے تھے۔ بلکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں ہر بی بی کو ایک ایک حجرہ بنوا کر ان کے قبضہ میں دے دیا تھا۔ اور ازواج نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں ان پر قبضہ بھی کر لیا تھا اور ہبہ مع قبضہ موجبِ ملکیت ہے۔ جیسا کہ حضرت فاطمہ اور حضرت اسامہ کو بھی حضور نے اس قسم کے گھر بنوا کر ان کی تحویل میں دے دیے تھے اور ازواج مطہرات اور یہ لوگ ان گھروں کے مالک تھے۔ لہذا یہ حجرے ازواج کو میراث نہیں ملے تھے بلکہ یہ تو ان کی ملکیت تھے۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ شیعہ سنی کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ جب امام حسن کی وفات نزدیک آئی تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ان کے حجرہ میں دفن کیے جانے کی اجازت مانگی تھی۔ اگر یہ حجرہ حضرت عائشہ کی ملکیت نہ ہوتا تو اجازت مانگنے کی کیا ضرورت تھی۔

ثانیاً۔ قرآن سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے کہ یہ حجرے ازواج مطہرات کی ملکیت تھے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ حجرے خود حضور نے اپنی حیات میں ازواج کی ملکیت میں دے دیے تھے چنانچہ ارشادِ باری ہے :۔

قَرنَ بیُوتِکُنَّ | اے رسول کی بیبیو! اپنے گھروں میں رہو

اگر یہ حجرے ازواج کی ملکیت نہ ہوتے تو پھر قرن فی بیوت الرسول (رسول کے گھروں میں قرار پکڑو) ہونا چاہیئے تھا۔ جس سے یہ ثابت ہوا کہ حجرے ازواج کی ملکیت تھے اور میراث میں ان کو نہیں ملے تھے۔

جامع الصفات

ایک مقبولِ عام، ایمان افروز، باطل سوز تالیف جس میں حضور سیّد عالم نُورِ مجسم صلے اللہ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب، معجزات و کرامات کو کتاب و سُنّت کی روشنی میں ایک اچھوتے اندازِ دلنواز سے پیش کیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام اوّلین و آخرین کے کمالات کے جامع ہیں

مکتبہ رضوان۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور